جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفی، چریاکوٹی نے مرتب کیا

پہلی جلد: پہلا دور

پہلا اور دوسرا حصہ

۱۹۴۳

ہندستانی اکیڈیمی، صوبۂ متحدہ، الہ آباد

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفیؔ، چریاکوٹی نے مرتب کیا

پہلی جلد: پہلا دور

پہلا اور دوسرا حصہ

۱۹۳۴

ہندستانی اکیڈمی، صوبۂ متحدہ، الٰہ آباد

Published by
The Hindustani Academy (U. P.)
ALLAHABAD

1807

First Edition

Price ..	*Rs.* 4/8/	*(Paper)*	6/8/-
	.. 5/-	*(Cloth)*	

Printed by
S. S. Srivastava at the K. P. Press
ALLAHABAD

فہرست

خصوصیات دور اول

حصہ اول

شعراے دکن

انتخاب

حصہ اول

دور اول

حصہ دوم

شعرائے دہلی

اسماے شعرا

نام شعرا			نمبر شمار
وجہي	..	..	۱
محمد قلي قطب شاہ	..	..	۲
سلطان محمد قطب شاہ	..	..	۳
عبداللہ قطب شاہ	..	..	۴
ملا غواصی	..	..	۵
ملا قطبی	..	..	۶
جنیدی	..	..	۷
طبعي	..	..	۸
ابن نشاطي	..	..	۹
نوری	..	..	۱۰
فائز	..	..	۱۱
شاهی	..	..	۱۲
مرزا	..	..	۱۳
نصرتی	..	..	۱۴
هاشمي	..	..	۱۵
عاجز	..	..	۱۶
پنچھي	..	..	۱۷
بحري	..	..	۱۸
امین	..	..	۱۹

نمبر شمار	نام شعرا
۲۰	مومن
۲۱	ذوقی
۲۲	مجرمی
۱۴	نتھر اولیا
۲۴	ولی دکھنی
۲۵	محمود
۲۶	صبائی
۲۷	احمد
۲۸	آگاہ
۲۹	وجدی
۳۰	خاکی
۳۱	آزاد
۳۲	ولی
۳۳	داؤد
۳۴	عزلت
۳۵	سراج
۳۶	صارم
۳۷	شہدا
۳۸	واقف
۳۹	عزیز
۴۰	عاشق
۴۱	مہدی
۴۲	مرزا

نمبر شمار			نام شعرا
۶۶	...	...	ضیا
۶۷	...	...	احسن
۶۸	..	...	عشق
۶۹	...	...	قدرت
۷۰	...	...	مائل
۷۱	...	...	حزیں
۷۲	...	...	لطف
۷۳	...	...	رنگیں
۷۴	...	...	نثار
۷۵	...	...	حسرت
۷۶	...	...	قسمت
۷۷	..	...	ممنون
۷۸	...	...	وفا
۷۹	...	...	راقم
۸۰	...	...	فیض
۸۱		...	خاموش
۸۲	...	...	امین
۸۳	...	...	حسن
۸۴	...	...	گرفتار
۸۵	...	...	مظہر
۸۶	...	...	بقا

تعارف

چھ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد اکیڈیمی "جواہر سخن"
کی پہلی جلد پبلک کے روبرو پیش کرتی ہے، اکیڈیمی کی
مجلس انتظامیہ نے سنہ ۱۹۲۷ع میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ اردو
کے سربر آوردہ سخنوروں کے کلام کا انتخاب شائع کیا جائے،
ضرورت یہ تھی کہ ایک ایسا جامع انتخاب مرتب ہو جس
میں نہ صرف غزلوں کا انتخاب ہو بلکہ وہ ہر صنف سخن پر
حاوی ہو، اس میں تاریخی اصول بھی مد نظر رہے تاکہ شعر
اور اس کے زمانے کا تعلق عیاں ہو جائے اور زبان کی تدریجی
ترقی کی منزلیں نگاہ کے سامنے آ جائیں - اس انتخاب میں
اس امر کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ نہ تو اتنا مختصر ہو کہ
شاعر کی خصوصیات اور اس کے شاہکاروں کی پوری طرح نمایندگی
نہ ہوسکے، نہ اتنا بسیط ہو کہ اس میں کل رطب و یابس
شامل ہو جائیں، چنانچہ یہ انتخاب انہیں اصولوں کے تحت
میں تیار ہوا ہے، اس کے علاوہ اس میں شعرا کے انتخاب کے
معاملے میں بھی احتیاط برتی گئی ہے، جہاں تک ممکن ہوا

ہے ہر ایسا شاعر جس کو صاحب طرز کہہ سکتے ہیں اس میں شامل کیا گیا ہے -

اردو شاعری کے ابتدا سے آج تک متعدد دور قائم کئے گئے ہیں ' ہر دور ایک خاص زمانے تک محدود ہے ' جو شاعر اس زمانے میں ہوے ' یا جو کلام حیطۂ تحریر میں آئے ' تاریخ کی قیود کے مطابق اس دور کے تحت میں جمع کر دئے گئے : آخری دور کے متعلق یہ تحریر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو شعرا بہ قید حیات ہیں ان کو اس انتخاب میں جگہ نہیں دی گئی کیونکہ ان کے کارناموں کے متعلق خامہ فرسائی قبل از وقت معلوم ہوتی ہے -

انتخاب سخن کے علاوہ ' شاعروں کے حالات اختصار کے ساتھ درج کئے گئے ہیں اور ہر شاعر کے کلام پر بہت مختصر نقد و تبصرہ بھی کر دیا گیا ہے - ہر جلد میں انتخاب سے پہلے خلاصۂ دور کی صورت میں ' دور کی شعری خصوصیات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے ' مقصد یہ ہے کہ ناظرین کو " جواہر سخن " کے ذریعہ سے اردو شاعری سے مجملاً واقفیت اور اردو کے ان کارناموں سے تعارف ہو جاے جن پر اردو ادب کی عظمت کا انحصار ہے -

اکیڈیمی کی مجلس انتظامیہ نے یہ کام مولوی محمد مبین کیفی چریا کوٹی اردو اسکالر کے سپرد کیا انہوں نے اردو کے اکثر دواوین ' کلیات ' انتخابات ' تذکرے اور سوانح سامنے رکھ کر یہ انتخاب تیار کیا ' چونکہ شعر کا انتخاب زیادہ تر ذاتی رحجانات کے زیر اثر ہوتا ہے لیکن اکیڈیمی کو یہ منظور تھا

کہ اس کی طرف سے جو انتخاب نکلے اس میں یہ کوشش کی جائے کہ جہاں تک ممکن ہو ایسا ہی دلعزیز مجموعہ مرتب ہو جس سے مختلف الطبائع ناظرین لطف اندوز اور محظوظ ہو سکیں ' اس لئے مجلس انتظامیہ نے ایک کمیٹی انتخاب پر نظر ثانی کی غرض سے مقرر کی ' یہ کمیٹی چھ ارکان پر مشتمل تھی ' ہر رکن کے سپرد ایک ایک جلد ہوئی مثلاً جناب مولانا سید محمد سلیمان صاحب ندوی نے پہلی - جناب مولانا سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم - اے ریڈر لکھنؤ یونیورسٹی نے دوسری جلد - جناب نواب جعفر علی خاں صاحب اثر بی - اے نے تیسری - جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایم - اے پی ایچ ڈی پروفیسر عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی نے چوتھی - جناب مولانا نعیم الرحمان صاحب ایم - اے لکچرر فارسی ' الہ آباد یونیورسٹی نے پانچویں اور مرزا محمد عسکری صاحب بی - اے نے چھٹویں جلد کی تصحیح اور اس پر نظر ثانی کی - کمیٹی نے بہ حیثیت مجموعی ایک دستورالعمل بنایا جس کے تحت ہر ممبر یا رکن نے نظر ثانی کی - اس طرح اصل کتاب کی چھ جلدیں تیار ہوئیں اور انتخاب کی چھان بین ہوئی ' ان جلدوں کے علاوہ ایک جلد بسیط مقدمہ پر شامل ہے جس میں تمام اصناف سخن پر بحث کی گئی ہے -

دکنی شعرا کے کلام کے انتخاب میں جو غیر معمولی دقتیں پیش آئیں ان میں سب سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے کلام کے جتنے انتخاب اب تک شائع ہوئے ہیں ان میں بیشتر ایسے ہیں جن میں دکنی الفاظ کے صحت اور سقم کی چنداں پروا

نہیں کی گئی ہے ' اس لیے ان سے نقل اور اخذ کے سلسلے میں اہتمام صحت میں بہت دشواریاں پیش آئیں ' اگر جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایم - اے ' پی ایچ ڈی پروفیسر عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی کی اعانت شامل نہ ہوتی -

تارا چند

جنرل سکریٹری

۲۳ اگست سنہ ۱۹۳۳ء

تمہید

اُردو زبان کی ابتدا کس زمانے میں ہوئی ؟ ایسا سوال ہے جس کا جواب تحقیقات کا محتاج ہے ۔

اس میں شبہ نہیں کہ غزنوی حملہ‌آوروں کے وقت سے فارسی بولنےوالے ترک خراسانی اور وسط ایشیا کے رہنےوالوں اور شمالی مغربی ہند کے آریائی زبانیں بولنےوالے باشندوں میں ربط ضبط پیدا ہوا ۔

جب محمود نے پنجاب پر قبضہ کیا ، اور اس کے جانشینوں نے لاہور کو اپنا پایۂتخت بنایا تو معاشرتی اور مذہبی ضروریات کے سلسلے میں وہ زبانیں بننے لگیں جن میں پنجابی اور ہندی ترکیبوں کے ساتھ فارسی اور عربی تصرفات پائے جاتے ہیں ۔

غزنوی حکمراں ابتدا ہی سے ہندوؤں کے ساتھ میل‌جول رکھتے تھے ، محمود اور مسعود کی فوجوں میں ہندو سپاہی اور افسر ملازم تھے ، غالباً انہیں تعلقات کی وجہ سے درباری اور فوجی زبانوں میں تغیر کی ابتدا ہوئی ۔ مشائخ اور صوفیہ ان حملہ‌آوروں سے پہلے ہی یہاں آکر بس چکے تھے ، اور مذہبی تعلیم اور تلقین میں مشغول ہو چکے تھے ، قیاس کہتا ہے کہ ان کو اور ان کی طرح علما کو بھی یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسی زبان میں ہندوستانی باشندوں سے بات چیت کریں جس

کو وہ سمجھہ سکیں ' کاروبار اور معاملت نے اس تحریک کو اور قوت پہونچا دي ' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان ابراهیم کے زمانے میں مسعود سعد سلمان اور ابو عبداللہ الدعتي جو فارسي کے شاعر تھے هندي میں شعر کہنے لگے - کہا جاتا هے کہ اس زبان میں ان کے دیوان بھي مرتب هوے ' گو ان کے کلام کا نمونہ نایاب هے ' یہ امر متحقق معلوم هوتا هے کہ بارهویں صدی عیسوي میں اس نئي زبان هندي میں شاعري کي ابتدا هوئي -

تیرهویں صدي میں ترکوں کا تسلط شمالي هندوستان پر هوا اور دهلي پایہ‌تخت قرار پایا ' اس دور میں مشاهیر علم و ادب مشائخ اور صوفیہ هندوستان میں چاروں طرف پھیل گئے ' هندوستانیوں اور پردیسیوں میں گہرے تعلقات قائم هو گئے ' دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے متاثر هوے اور اس طرح معاشرت اور زبان میں روز بروز تبدیلیاں هونے لگیں -

انقلاب کے ان نئے مظاهروں کي دلچسپ تاریخ ابھي هماري آنکھوں سے اوجھل سي هے ' لیکن اس دھندلکے میں ایک هستي بہت نمایاں اور روشن هے وہ هستي حضرت امیر خسرو دهلوي کي هے ' امیر خسرو ۱۲۵۴ع میں پیدا هوئے اور علائي زمانے میں اپنے غیر معمولي ادبي کارناموں کی وجہ سے مشہور هوئے ان کے نام کي طرف هندی کی بہت سي پہیلیاں کہہ مکرنیاں اور نظمیں منسوب هیں اگرچہ اس قول کی تصدیق کسی مستند ذریعہ سے قطعی نہیں هوتی لیکن قیاس اور بعض روایتیں کہتي هیں کہ انہوں نے هندي میں طبع‌آزمائي ضرور کی - ان کي قابلیت کا جامع هونا اور زبانوں پر قدرت اس دعوے کے شواهد هو سکتے هیں -

نوسیپر میں خود لکھتے ہیں کہ مجھے سنسکرت زبان کا علم تھا ۔ اوحدی کے قول کے مطابق برج بھاشا میں ان کے کئی ضخیم دیوان تھے ۔

چودھویں صدی میں گجرات اور دکن ، سلطنت دھلی کے زیر اثر آگئے اور ملک کے ان حصوں میں شاہی فوجیں انتظام کے سلسلے میں سکونت‌پذیر ہوئیں ، ان کے ساتھ ساتھ اصحاب علم اور ارباب دین و مذھب بھی یہاں پہونچ گئے ، یہ لوگ زیادہ تر پنجاب اور دھلی سے گجرات اور دکن میں وارد ہوئے اور یہاں کے باشندوں سے میل‌جول پیدا کیا ، اس وجہ سے ان کی بولی بازاروں اور خانقاہوں کی زبان بن گئی ۔ چودھویں صدی کے اختتام سے پہلے دھلی کی سلطنت کا شیرازہ درھم برھم ہو گیا لیکن گجرات اور دکن کی سلطنتیں قائم رھیں ، یہاں علم اور ادب کا چرچا بڑھتا گیا ، دکن نے اِس میں سبقت اور فضیلت حاصل کی ، بھمنی سلطنت کے زیرسایہ ، بادشاھوں کی سرپرستی اور فقیروں کے فیض سے اس نئی زبان نے ادبی حیثیت حاصل کر لی ، کسی نے اس زبان کو گجراتی کسی نے دکنی کے نام سے پکارا ، اِسی زبان میں نظم‌نویسی اور نثرنگاری کا آغاز ھوا ، نثر ان لوگوں کے پیش نظر تھی جو عوام کو دینی مسائل سمجھانا چاھتے تھے ، اغلب ھے کہ نظم کی ابتدا کا سبب بھی اسی حلقہ کی یہی ضرورتیں رھی ھونگی ۔

نثر کا انحصار عقلی کارروائیوں پر ھے ، نظم کا تعلق ھمارے فطری جذبات سے ھے ۔ انسان فطرتاً حسن و جمال کا شیفتہ ھے توازن اور موسیقیت اس کی طبیعت اور اس کی سرشت میں

داخل ہیں - وہ لکھنا پڑھنا پیچھے سیکھتا ہے اور گانا پہلے ۔ اسی لئے اردو زبان کیا بلکہ ہر زبان کی ترویج نظم سے شروع ہوتی ہے -

پندرھویں اور سولھویں صدی میں دکن کے اندر جو زبان ادبی تالیفات اور تصنیفات کا ذریعہ بنی اس کو اردو کہنا نامناسب نہ ہوگا گو اس کو زمانہ حال کی اردو سے زیادہ مشابہت نہ ہو - اس زبان کی ساخت موجودہ اردو کی طرح آریائی ہے لیکن اس میں ہندی کا عنصر بہت زیادہ ہے اور غیر ملک کا کم ' دکنی نظم کا سرمایہ یہی ملکی زبان تھی لیکن جن سانچوں میں نظم ڈھلی ہے وہ فارس کے تھے -

فارسی اوزان ' فارسی بحریں ' فارسی عروض ' اور فارسی اصناف سخن نظم کی تشکیل کا ذریعہ بنیں اسی وجہ سے ہندی اور دوسرے ہندوستانی ادبیات سے اردو شاعری میں بین فرق پیدا ہو گیا - دکن کے شاعروں نے اس زبان میں مثنویاں ' قصیدے غزلیں ' مرثیے کہے اور اس طرح شاعری کو اوج کمال پر پہونچا دیا ' ان متقدمین کی شاعری آورد اور تصنع سے پاک ' سادگی اور بے تکلفی کی بے ساختہ تصویر ہے -

اٹھارھویں صدی کے اوائل میں ولی اورنگ‌آبادی دکن سے دہلی آیا - اس وقت دولت مغلیہ کی شوکت اور دبدبے کا آفتاب نصف‌النہار سے ڈھل چکا تھا ' لیکن دہلی کا دربار ابھی ان امیروں اور رئیسوں کا مرکز تھا جو زیادہ‌تر ایرانی ' تورانی نژاد تھے ' جن کی مادری زبان فارسی تھی ' دربار کے لواحقین اور شہر کے اہل علم فارسیت میں ڈوبے ہوے تھے ' ان لوگوں نے ولی کا خیر مقدم کیا اور اس کی

نظموں کو هاتھوں هاتھ لیا ' اُس کی شاعری کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا بلکہ بقول بعض ' انھیں نظموں کی وجہ سے فارسی کو چھوڑکر اِن لوگوں نے بول چال کی زبان کو شاعری کا ذریعہ بنایا۔ جب ادب کے نکھار سے دھلی کی زبان سنورنی شروع ہوئی جو قدرتی طور پر بول چال کی زبان میں تبدیلی شروع ہوئی وہ الفاظ ' جن میں هندی کے خاص حروف شامل تھے اور فارسی لفظوں میں استعمال نہیں ہوتے تھے ' جن کو فارسی‌داں اپنی زبان سے بآسانی ادا نہ کرسکتے تھے ادب سے خارج ہونے لگے ' اس کے علاوہ ' وہ الفاظ بھی جو عوام کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے اور خواص ان کو بازاری قرار دیتے تھے ' متروک ہونے لگے ' اِس طرح کٹ چھٹ کر دھلی کی ٹکسالی اردو زبان تیار ہوئی ' اور اُس کی گود میں اردو ادب کی پرورش ہونے لگی ۔ محمد شاہ کے عہد سے اس کی مستقل تاریخ شروع ہوتی ہے ' تقریباً دو سو برس کے اندر یہہ زبان ترقی کے ابتدائی مدارج طے کرتی ہوئی آج اس درجہ پر پہونچی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار پائی ۔

اِس زبان میں علوم و فنون کی کتابوں کا آئے دن اِضافہ ہو رہا ہے ' اور اس کا خزانہ هر صنف کے کارناموں سے روز بروز مالامال ہوتا جاتا ہے ۔

وہ زمانہ آگیا ہے کہ ادبی ضروریات کا مطالبہ ہو کہ اُردو کے شعبۂ نظم کا ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جس سے اس کی تدریجی ترقی کا حال ظاهر ہو ' اور جس کے ذریعہ سے هر دور کے شاهکار ایک ساتھہ شائقین اُردو کے سامنے پیش کئے جا سکیں ۔ یہہ انتخاب جس کا نام "جواهر سخن" ہے اِن ضرورتوں کو پورا

کرنے کي غرض سے تيار کيا گيا ہے - مکمل انتخاب چهه جلدوں اور چهه دوروں ميں ختم هوا هے - پهلي جلد اور پهلے دور کے دو حصے هيں - پهلے حصے ميں شعراے دکن کے کلام کا نمونه اور ان کے مختصر حالات هيں ' دوسرے حصے ميں شعراے دهلي کے کلام کا نمونه اور ان کے مختصر حالات اور خصوصيات درج هيں -

---

خصوصیات

دور اول

حصہ اول

(شعرائے دکن)

اس دور میں قریب قریب تمام اصناف سخن موجود ہیں ' مسلسل نظمیں ' اخلاقي اشعار ' مناظر قدرت ' مستقل عنوانوں کے تحت میں مستقل نظمیں بھي ہیں -

ریختي کي ابتدا بھی اسي دور میں ہوئي ' مذاقیہ نظمیں جعفر زٹلی نے لکھیں ' لیکن ان پر بیان کی سادگي ' ایر پھیر سے اجتناب غالب ہے ؟ جو مضمون بیان کیا جاتا ہے بےساختگي سے ' جابجا تناسب لفظي بھي ہے لیکن اس کي صورت اتني ناگوار نہیں کہ اس کے احساس اور ادراک سے نفرت پیدا ہو یا سلسلۂ بیان سے کوئي شے الگ تھلگ معلوم ہو -

دکني شاعري کي لفظي خصوصیات میں یہ امر نمایاں ہے کہ اس نے اپنے فاتحوں . کا اثر قبول نہیں کیا ' اس سے جہانتک ہو سکا اپنی ہي زبان کا آئینہ بنائے رہي اگرچہ اس تعصب اور سختگیري نے اس کو محدود دائرے سے آگے بڑھنے نہیں دیا ' جہاں سے اس میں وسعت شروع ہوئي ہے وہیں سے فارسي زبان کا اثر معلوم ہوتا ہے -

مصنف گل رعنا نے اُردو پر فارسی اثرات کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں :-

" چونکہ اُردو شاعری کی ابتدا فارسی کی انتہا سے جا ملی ہے لہٰذا بہت سے خیالات جو خاص ملک فارس سے علاقہ رکھتے ہیں اس میں خودبخود آگئے ، ان خیالوں نے اُردو شاعری کو سنگلاخ بنا دیا ۔"

ایک طرف اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فارسی خیالات کے تتبع نے اُردو کو سنگلاخ بناکر اُس کی اصلی بہار کھو دی یعنی جو بات اُس کو ہندوستان کی محسوس اور مرئی اشیا کو پیش نظر رکھنے سے حاصل ہوتی وہ فارس کی غیرمرئی ، اور غیر محسوس اشیا کے پیش نظر رکھنے سے حاصل نہیں ہوئی ، وہیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ فارسی کی طرز ادا اور انداز بیان کی تقلید نے اُردو شاعری کو بہت کچھہ آگے بھی بڑھا دیا ، لیکن باوجود اس کے اس دور کا یہ امتیاز نمایاں ہے کہ اس نے فارسی کا اثر بہت کم قبول کیا ہے ، جو کچھہ ہے وہ برائے نام ہے اور اس کا پیوند نمایاں معلوم ہوتا ہے ۔

یہ بیان ظاہری اور لفظی گلکاریوں کے متعلق تھا ، اس کے علاوہ معنوی خصوصیات اور اثرات نے بھی شاعری کو متاثر کیا ہے ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دکن جس طرح اس وقت ادبی ذوق کا مرکز تھا ، اُسی طرح فقرا کے تبلیغ و اشاعت کے اثر سے بھی مالامال تھا ۔

بہاءالدین باجن ، شاہ علی گام ، شیخ خوب محمد ، عین‌الدین گنج علم ، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے ایسے بزرگوں کی تبلیغ و اشاعت اور تصوف کا نغمہ تمام دکن میں گونج رہا

تھا ' اس لئے شاعری کا اس رنگ سے متاثر ہونا ضروری تھا -
چنانچہ اس دور کی شاعری میں جو چیز بقدر مشترک موجود
ہے وہ مختلف رنگوں اور اصناف میں خدا پرستی ' مذہبی رنگ
کا غلو ' تصوف ' تعلیم اخلاق ' وغیرہ کا نمایاں ہونا ہے ' عشق
مجازی کی جگہ ' عشق حقیقی کے جذبات جلوہگر ہیں -

چونکہ تصوف کا شمار آل رسول کے ساتھ محبت اور
عقیدت بھی ہے اور ساتھ ہی بیجاپور و دکن میں جو اسلامی
سلطنتیں اس وقت قائم تھیں ' ان کے فرمانروا اکثر شیعہ تھے
اس لئے اس دور میں مراثی کی فراوانی کے ذریعہ سے
حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے ساتھ جوش عقیدت
اور ان کے دشمنوں کے ساتھ نفرت اس دور کا نمایاں رنگ ہے -

توحید و رسالت ' محاورات و مصطلحات تصوف ' جام '
ساغر ' ساقی میخانہ ' میکشی ' شراب عرفان کے مضامین
اکثر مسلسل نظموں اور غزلوں کا موضوع خصوصی ہیں - شعرائے
دکن نے ان تمام خیالات اور مصطلحات سے اپنی شاعری کو متاثر
کیا ہے -

ہندی زبان کا اثر

دکنی زبان اور بالخصوص دکنی شاعری جو اس دور میں
نمونہ پیش کرتی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندی کا
اثر دکنی اردو پر پہلے ہی سے وسیع حد میں موجود تھا ' بیک
نظر معلوم ہوتا ہے کہ ہندی زبان کے خصوصیات لفظی و معنوی '
ترکیب ' طرز ادا ' جذبات ' تخیل ' تشبیہ و استعارے سب کچھ
دکنی شاعری میں موجود ہیں -

ترکیب اور تشبیہ کی مثال ایک ساتھ یہ ہے :-

پون سپتی ہت راکھی ہے آپ کمر
سورج چاند نمن جھمکے دوزر کمر

شعر کی ترکیب ہندی ہے ' ہندی میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان کا لفظ اضافت (کا ' کی ' کے) محذوف ہوتا ہے ' مثلاً '' نینن نیر '' آنکھوں کے آنسو ' کبھی آنکھیں میں آنسو کے معنی میں بھی آتا ہے - یہ صورت دکنی شاعری میں کثرت سے ہے -

تشبیہ بھی چاند سورج سے اثر دی جاتی ہے ' تخئیل اور طرز ادا بھی اس شعر کی ہندی ہے -

ہندی شاعری کی یہ خصوصیت اُردو کے لئے قابل رشک ہے کہ اس میں اظہار جذبات اکثر سادہ انداز میں کیا جاتا ہے ' یہی وجہ ہے کہ اس کی دلنشینی میں شبہہ نہیں رہتا ' دکنی اردو شعرا نے اس رنگ کو بھی اُڑایا ہے ' ہندی شعرا مشکل اور ناآشنا الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ' دکنی شعرا نے اپنی شاعری میں اس کو بھی پیش نظر رکھا ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ دکنی اردو شاعری میں جہاں تک اس کا اہتمام ہے شاعری دلچسپ اور اثرانداز ہو گئی ہے -

ہندی میں لفظ ذو معنیین کا استعمال بھی جائز ہے ' مثلاً :-

کلور پیا انکھیو نہیں لاگی
جب سے لگے یہ نین

'' پیارے کلور! میری آنکھ نہیں لگی (نیند نہیں آئی)

جب سے یہ آنکھیں لگیں (محبت ہوئی) - آنکھ لگنے کے دو معنی ھیں -

دکنی شاعری میں اس کا چربہ بھی اتارا گیا ھے، ولی کے کلام میں جا بجا اس کی مثال ملےگی مثلاً اس کا ایک شعر اس طرح ھے :-

کیا سہم ھے آفات قیامت سمی اس کوں
کھایا جو لگی تیر سدھ ابرو کی کماں کا

"سہم" کے معنی ڈر اور تیر دونوں کے ھیں، یہاں یہ لفظ دونوں معنی ادا کر رہا ہے -

ھندی میں عشق کا اظہار عورت کی زبان سے ہوتا ھے، دکنی اردوے قدیم میں اس کا نمونہ بھی ھے مثلاً ھاشمی کاشعر ھے :-

سجن آویں تو پردے کے نکل کر بھار بیٹھونگی
بہانہ کر کے موتیں کا پروتی ھار بیٹھونگی

فارسی زبان کا اثر

یہ عجیب بات ھے کہ دکنی زبان جس قدر آگے بڑھتی گئی ھے اس پر فارسی خیالات، جذبات، طرز ادا، ترکیب، تشبیہیں اور استعارے قابو پاتے گئے ھیں، چنانچہ ولی کی شاعری کے بعض حصے دکنی سے بالکل علیحدہ معلوم ہوتے ھیں -

گل و بلبل، سرو، قمری، شمع و پروانہ، تغزل کے اجزا بن گئے اور یہ چیزیں بیشتر اظہار عشق کا ذریعہ بن گئیں، اس کی وجہ یہ ھے کہ فارسی کی شاعری تغزل سے زیادہ تصوف لیکر آئی اور اس کو قضا نے قبول کر لیا -

خسرو ، حافظ ، سعدی ، جامی ، مولانائے روم ، صوفی بھی تھے اور شاعر بھی ، اس لئے اُن کا رنگ غالب رہا ، دکن کے صوفیوں نے اس کے لئے زمین پہلے ہی طیار کرلی تھی اس لئے یہ شاعری یہاں آکر پھولی پھلی ۔

دکنی شاعری کی ابتدا میں عروض ، بحر و وزن کی بھی شدید پابندی معلوم نہیں ہوتی ، لیکن فطرت سلیم حتی‌الوسع اس راہ سے بھٹکتی ہوئی کم دکھائی دیتی ہے ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دکنی شاعری میں اکثر ہندی بحریں رائج تھیں ، فارسی کے تدریجی اثر نے اپنی مروجہ بحریں پیش کر دیں ، اس لئے حتی‌الوسع پابندی کے ساتھ وہی رائج ہو گئیں ، پہلے کھینچ تان ، تخفیف اور اضافے بالکل کم ہوتے ہوتے معدوم ہو گئے ۔

اس حصہ کے صاحبان طرز میں قطب شاہ دکن کا سب سے پہلا یا دوسرا شاعر کہا جاتا ہے ۔ اس کا دیوان تمام اصناف سخن پر حاوی ہے ۔ بقول مولوی عبدالحق صاحب ، دیوان کی ضخامت کا یہ حال ہے کہ بادشاہ تو بادشاہ اس دور کا کوئی پیشہ‌ور شاعر بھی مقابلہ نہیں کر سکتا ۔

اس نے مثنویاں ، قصائد ، مراثی ، غزلیں ، مستقل نظمیں ، اور اصناف اس طرح پیش کی ہیں کہ ہر صنف کو دوسری صنف سے اپنی خصوصیات کے ساتھ علیحدہ اور نمایاں دکھایا ہے ۔ مثنویوں میں اپنے زمانہ کے پھولوں ، میووں ، ترکاریوں ، پرندوں ، اور رسم اور رواجوں کو بیان کیا ہے ۔

نصرتی بھی اس دور اور اس حصہ کا بہت قادرالکلام شاعر

تھا ' اس کے اشعار میں نسبتاً روانی زیادہ ہے ۔ اس کی غزلیں ' مثنویاں ' نظمیں ' خاص رنگ رکھتی ہیں ' علی نامہ اس کا مشہور کارنامہ ہے ' گلشن عشق اور گلدستہ عشق بھی اسی کی تصنیفوں میں سے مشہور ہیں ۔ وجہی کی مثنوی قطب مشتری مشہور ہے ' اس کی رباعیاں بھی خاص درجہ رکھتی ہیں ۔

غواصی کی ہجو ' بدصورت شہزادی کے عنوان سے قابل ذکر ہے ' اس نے ملا ضیاءالدین نخشبی کے طوطی نامہ کا اردو نظم میں ترجمہ کیا ہے ۔

قطبی کے مضامین پند و نصائح نظم میں پر اثر جذبات کا مرقع ہیں ۔

نشاطی کی مثنوی پھول بن اس دور کی مشہور مثنویوں میں سے ہے ۔ اس کی زبان سادہ اور طرز بیان دلکش ہے ۔

جعفر زٹلی کا تمسخر اور مذاق اس دور کا خاص انداز ہے ۔

ہاشمی کی ریختی اولیت کے اعتبار سے قابل ذکر ہے ۔

قاضی محمود بحری نے اپنی نظموں میں رموز تصوف بیان کئے ہیں ۔ ان کی مثنوی " من لگن " مشہور ہے ۔

ہاشم علی نے بہتر مرثیے لکھے ۔

ولی اس دور کا سب سے بڑا اور مستند شاعر ہے جس نے حقیقتاً اردو شاعری کی بنیاد رکھی ۔

حصہ دوم

(شعرائے دھلي)

جو زمانہ دکن میں دکني أردو کي ترقي اور بتدریج غلبۂ فارسیت کا تھا وھي دھلي میں شاعري کے آغاز کا تھا -

دکن کے خادم الشعراء ولي جب دھلي آئے تو اُن کے معاصرین حسب ذیل شعراء کا نام اھل تذکرہ لیتے ھیں -

قزلباش خاں امید - سلیمان قلي خاں وداد - علي قلي خاں ندیم - شیخ سعداللہ گلشن - مرتضی قلي خاں فراق - میر شمس‌الدین فقیر - مرزا عبدالقادر بیدل - سراج الدین علي خاں آرزو -

اِن اساتذۂ شاعري میں سعد اللہ گلشن وہ بزرگ ھیں جن کے فیض صحبت نے ولي کو أردو کا شاعر بنایا ' سراج الدین علي خاں آرزو وہ شخص ھیں جن کے آغوش تربیت و تعلیم نے میر کے ایسا استاد شعراء طیار کیا -

دھلي کي أردو شاعري پر ابتدا سے فارسي کا غلبہ ھے ' اس کي وجہ تذکرہ نویسوں نے یہ بتائي ھے کہ فارسي‌گو شعرا اس طرف متوجہ ھوے اور ان کي توجہ نے أردو شاعري کو سند قبول عطا کیا --

ان کے کلام کا نمونہ أردو تکسالي کا قدیم‌ترین نمونہ کہا جائےگا - چنانچہ اِن کے بعض نمونے یہ ھیں :-

۱ - موسوي خاں ' فطرت

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑي ھے
در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑي ھے

۲ ۔ عبدالقادر ' بیدل

مت پوچھہ دل کی باتوں یہ دل کہاں ہے ہم ہیں
اس جلس بےنشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

۳ ۔ قبول

بعض تذکرہ‌نویسوں نے قبول کا نام عبدالغنی لکھا ہے ' مولف "تاریخ ادب اُردو" نے بھی یہی نام لکھا ہے ' لیکن میر حسن اپنے تذکرے میں اِن کا نام غنی بیگ لکھتے ہیں :-

حاضری بن منعل نہیں کھاتا
بیکسی ہے پلیر منعم کا

۴ ۔ سراج الدین علی خاں ' آرزو

وعدے تھے سب خلاف جو اُس لب سے ہم سنے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

مرے شوخ خراباتی کی کیفیت نہ کچھہ پوچھو
بہار حسن کو دی آب جب اُن نے چرس کھینچا

میخانہ بیچ جاکر شیشے تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

دریا عرق میں ڈوبا تجھہ سیمتن کے آگے
موتی نے کان پکڑا تیرے سخن کے آگے

تیرے دھن کے آگے دم مارنا غلط ہے
غنچہ نے گانٹھ باندھا سن کر سخن ہمارا

---

۵ - مراد علي قلي ' ندیم

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو ' بدن سے شعلۂ آتش نکلتے ہیں

بے قرار عشق کو ہے زندگي نقص کمال
مر چکے سیماب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

---

۶ - شمس‌الدین ' فقیر

ترا مکھہ دیکھہ بلبل گل ستي بیزار ہو جاے
اگر گل تجھہ تلک پہونچے ' گلے کا ہار ہو جاے

زندگي موج آب ہے گویا
دم کا آنا حباب ہے گویا

خال تھری بھاض گردن پر
نقطۂ انتخاب ہے کیا [۱]

ان مختصر نمونوں پر نظر کرنے سے حسب ذیل خصوصیات معلوم ہوتے ھیں :-

۱ - زبان ' ترکیب ' محاورات خیالات ' اصطلاحات کے اعتبار سے اُردو کی ٹکسالی شاعری نمایاں طور سے فارسی کی پیدا وار ھے -

۲ - جابجا الفاظ پر زیادہ زور دیا گیا ھے ' آرزو کے اشعار میں رعایت لفظی بھی پائی جاتی ھے ' مثلاً " فقیر " کے شعر میں گل کی رعایت سے گلے کا ھار ' اس کے علاوہ تجانس خطی و لفظی کی بھی جھلک ھے -

۳ - اس زمانے کے لوگوں کو ایہام کا کچھ ایسا شوق تھا کہ اُس کے آگے مضمون ' لطف بیان ' سلاست زبان ' کسی چیز کی پروا نہ کرتے تھے -

۴ - مضامین کے اعتبار سے خیالات اور جذبات بالکل فارسی کے ھیں ' ان میں تصوف ' اخلاق ' خمریات و رندی ' واردات عشق کے سلسلے میں گل و بلبل ' ھمہ اوست ' وحدت وجود ' موجود ھے -

یہ ظاھر ھے کہ ان پیش رو شعرا نے جو نئی راہ نکالی وہ مقلدین کے لیے سند تقلید بن گئی - شاعری جس قدر آگے

---

[۱] تذکرۂ میر حسن - گلشن ھند - مخزن نکات - گلرعنا -

بڑھتی گئی معلویت غالب آتی گئی ' چنانچہ مظہر جان جاناں کا کلام اِس نظر سے دیکھنے پر اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے - معلوی ترقیات میں جذبات تصوف کے ساتھ جذبات تغزل کی ابتدا بھی اِسی دور میں ہو چکی تھی ' فارسی کے وسیع اثر میں کمی اور اُردو میں ترقی کی طرف قدم اِسی دور سے بڑھنے لگا - مظہر کا کلام اِن خصوصیات کا آئینہ ہے - لفظی اهتمام بھی اِس دور میں کم ہے ' مظہر نے خلوص جذبات عشق و تصوف کے ساتھ بیان کی سادگی اور زبان کی بے ساختگی کا بہت خیال کیا ہے ' مظہر ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے کلام میں درد کی چاشنی پیدا کی - اُن کے خصوصیات کی پیروی اُن کے اکثر شاگردوں نے کی ہے -

قواعد عروض ' ردیف اور قافیہ کی صحت کا بھی چنداں خیال نہ تھا ' بلندش بالکل معمولی ہوتی تھی - یہ چیزیں قریب قریب اِس دور کے دونوں حصوں میں مشترک ہیں -

البتہ شاہ حاتم نے اصلاح زبان کی طرف توجہ کی اور اکثر ناپسندیدہ الفاظ خارج کر دیے -

بھاشا کے اثر سے زبان کو خالص کرنا بھی اِس دور کے اِسی حصے سے شروع ہوا ' اور دکنی الفاظ بھی اکثر بالالتزام ترک کیے گئے -

اِس دور کے صاحبان طرز میں مظہر اور حاتم بہت مشہور ہیں - تمام اصناف سخن پر غزل گوئی غالب ہے ' اُس کے مقابلے میں دوسرے اصناف بالکل ضمنی معلوم ہوتے ہیں -

دور اول کے دوسرے حصے میں آرزو و حاتم اور مظہر کے علاوہ آبرو ' حسرت ' یقین ' تاباں ' مضمون ' بھی مشہور صاحبان طرز ہیں - کلیم وہ شخص ہیں جن کی تعریف میر نے اپنے تذکرے میں مبالغے کے ساتھ کی ہے -

اِس دور میں- عموماً تمام اصناف پر طبع‌آزمائی کی گئی ہے لیکن زیادہ زور غزل پر دیا گیا ہے - تغزل کے ساتھ زبان میں بھی اس طرح ترقی ہوئی ہے کہ فارسی پر اُردو کا غلبہ نظر آتا ہے ' محاورات کی طرف بھی توجہ کی گئی ہے ' مظہر نے ٹھیٹھ محاورے بھی استعمال کیے ہیں - مثلاً ---

خدا کے واسطے اُس کو نہ ٹوکو
یہی اِک شہر میں قاتل رہا ہے

صحت الفاظ کی طرف حاتم نے توجہ کی اور صحت کا معیار وہی قائم کیا جو فارسی میں ہے لیکن " بھوڑ پان " کی ترکیب سے بھی اس دور میں دریغ نہیں کیا جاتا - اِس نوع کی ترکیبیں سودا اور میر کے زمانے تک برابر رایج رہیں -

آخر میں یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے ترتیب دور میں زیادہ‌تر زبان کی تدریجی ترقی کا خیال رکھا ہے - اگرچہ ترتیب سال و سن سے بھی اعراض نہیں کیا گیا ہے لیکن جہاں کہیں اِن دونوں میں تصادم ہوا ہے ہم نے پہلی شکل کو ترجیح دی ہے -

دور اول حصہ اول میں ترتیب کا تقریباً وہی لحاظ ہے جو عام طور پر رایج ہے - حصہ دوم میں بعض شعرا کی ترتیب نام و سن میں زبان اور شاعری کے لحاظ سے کچھ تقدیم و تاخیر

کي گئي هے - لیکن وہ کل شعرا آ گئے هیں جن کا تعلق اس دور سے زبان اور شاعري کے اعتبار سے هے -

پہلي جلد کے انتخاب میں کوشش کي گئی هے کہ اشعار کی تعداد کے لحاظ سے منتشر نمونے یکجا هو جائیں اس لیے کہ اِس دور کے شاعروں میں سے کمتر ایسے هیں جن کے دیوان شایع هوئے هیں -

---

انتخاب

حصہ اول - دور اول

وجهي [۱]

وجهي تخلص (نام کا پتا نہیں چلتا غالباً تخلص ھی نام بن گیا تھا) گولکنڈے کا رھنےوالا ' ابراھیم قطب شاہ کا درباري شاعر تھا -

کلام میں مضمون‌آفرینی ' طرز ادا ' گداز ' سب کچھ ھے ' زبان ٹھیٹھ دکني قدرے فارسی‌آمیز ھے ' مذھب اور ضروریات مذھب کا غلو معلوم ھوتا ھے -

' قطب مشتري ' اور ' سب رس ' اس کی تصنیفیں ھیں -

قطب مشتري

نہ بھئیں پر دسے وہ نہ اسمان میں
رھیا شہ اُسی نار کے دھیان میں

---

[۱] وجھی ' بقول مصنف اُردو شہ‌پارے ابراھیم قطب یعنی محمد قطب شاہ کے باپ کا درباري شاعر تھا -

بعض واقعات اور قرائن بتاتے ھیں کہ وجھي محمد قلی قطب شاہ کي ولیعہدي یا شہزادگی کے زمانے سے پہلے کہنہ مشق پختہ‌کار عمر رسیدہ شاعر ھو چکا تھا اس لئے اس کا نام محمد قُلي قطب شاہ سے پہلے آنا چاھئے - تفصیل کے لئے دیکھئے اُردو شہ پارے - مرتب -

لگیا تلملانے بہوت دھات سوں
کہیا جائے نا بات وو بات سوں
نہ یو بات ہر ایک کوں فام ہوئے
وہی جانے جس پر جو یو کام ہوے
کدھیں جو ھنسے ہور کدھیں کچ روئے
کدھیں سدھ پاوے کدھیں سدھ کھوے
اِسی دھات دن رات رھتا اچھے
اپس میں اپے یوں وہ کہتا اچھے
بھلائي چلنچل دھن وو یوں شاہ کوں
کہ لبداۓ جیوں کہربا کاہ کوں
اُٹھے ہور پھر سوے شاہ جائے کر
کہ وو نار بہی خواب میں آئے کر
جو ہر بار یوں خواب میں یار آے
تو عاشق کوں بن خواب بھي کچ سنبھاے
پریشان حیران بے تاب تھا
نہ کچ اُس کوں آرام' نا خواب تھا
لگیا شاہ اُساسان بھرن آہ مار
کہ نزدیک نہیں ہے وو کلونت نار
کدھیں بے خبر ہوئے کدھیں ہوئے ھشیار
کدھیں پیو پیو کے [۱] کدھیں یار یار
یو سن مطرباں سب خبردار ہوئے
جو مستاں تھے دوں سو ھشیار ہوئے

---

[۱] یعني '' کہہ '' ۔ اِسي طرح آگے ایک شعر میں ''کئ'' یعني ''کہوں'' ۔

بہوت دھات سوں بات سمجھائے کر
کہے شہ کوں نزدیک آئے کر
کہ اے شہ توں جم شاہ خرم ہو آج
نہیں غم تجے توں بے غم ہو آج
جکچھ تج کوں ہونا سو حاضر ہے سب
أساساں جو بھویا سو توں کیا سبب
کہیا شاہ دل نہیں دھرنا بھلا
کسی پاس ظاہر سے کرنا بھلا
کسے گوں کہ ملنج عشق أس کا اہے
وہی جانے منج عشق جس کا اہے

مجلس عیش و طرب

شہنشہ مجالس کیے ایک رات
وزیراں کے فرزند اتھے سب سلکات
ہر اک خوبصورت ہر اک خوش لقا
سو ہر ایک دلکش ہر اک دل ربا
مہابت کے کاماں میں جم جم ہے جیوں
شجاعت کے کاماں میں رستم ہے جیوں
ندیم ہور مطرب' سگھڑ فہمدار
اتھے شہ سوں ملکر یو سب ایک تھار
صراحی پیالے لے ہاتاں ملے
ندیماں تے مشغول باتاں ملے
لگے مطرباں گانے یوں ساز سوں
کہ دھرتی ہلے مست آواز سوں

جو مطرب وو صحرا میں اس دھات گائے
تو پھر اُن کوں اِس شوق تے حال آئے
جو گاوں وو شہ کوں کماتے اتھے
سو راگاں یہ راگاں جماتے اتھے
ندیماں لطافت میں جو چکہ آئیں
تو روتیاں کوخوش کر گھڑي میں ھنسائیں
شراب ھور صراحي نقل ھور جام
ھوئے مست مجلس کے لوگاں تمام
جو ھوئی رات آدھي نچھي دو پھر
خبردار یاراں ھوئے بے خبر
بسر گئے ندیماں طرز بات کا
گنوائے خبر مطرباں ذات کا

غزلیں

(۱)

پھو اپے کوں تک آج میں نس سہلے دیکھي سوےکر
جب پھو چلیا ست سوج ملنج نت سوتے اتھي روے کر
ھاتھ اپنا سارے ملنج چل چل لاگیا مارنے
نا جاوں سائیں کارنے بھی اجلوں کہا کہا ھوےکر
کیوں تالوں برھا جہال سکي نین سکتی ھوں سلدھال سکي
اب کیونکر پاوں ڈال سکي جو بیٹھي ھت تے کھوےکر

(۲)

طاقت نہیں دوري کي اب توں بیگی آ مل رے پیا
تج بن ملنجہ جیلا بہوت ھوتا ھے مشکل رے پیا

کھانا برہ کیتی هوں موں پانی انجھوں پیتی هوں موں
تج نے بچھڑ جیتی هوں موں کیا سخت هے دل رے پیا
هر دم توں یاد آتا مجھے اب عیش نیں بھاتا مجھے
برہا یو ستاتا مجھے تج باج تل تل رے پیا

محمد قلي قطب شاه

محمد قلي قطب نام - قطب شاه فارسي اور معاني أردو میں تخلص ' قطب شاهي خاندان کا فرد محمد ابراهیم قطب شاه کا بڑا بیٹا گولکنڈه (دکن) ' کا رهنے والا اور بادشاه تها ـ ادیب ' علم دوست ' زبردست شاعر تها -

پیچیدگی سے پاک ' صنائع بدائع سے اکثر معرا ' سلیس اور آسان کلام هوتا هے ' تمام اصناف میں یهی خصوصیات مشترک هیں -

تلمذ کا پتا نهیں چلتا -

قیاس هے که اس کے جانشین سلطان محمد قطب شاه نے مشوره سخن کیا هو کیونکه اس کے کلام میں وهي رنگ موجود هے -

ضخیم دیوان - تمام اصناف سخن سے مملو کتب خانه آصفیه حیدرآباد دکن میں موجود هے -

سنه ۹۷۷ھ میں پیدا هوا اور سنه ۱۰۲۰ھ میں وفات پائي

(باغ محمد شاهي)

محمد نانوں تهے بستا محمد کا اے بن سارا
سو طوبان سوں سہاتا هے جلت نملے چمن سارا

بهے دم عیسوی دایم چمن میں گل لگالے تیں
ہرے نہالاں کے جلوے تھیں مشاطا ہو یوں سارا
چمن کے پھول کھلتے دیکھ سکھیاں کا مکھ یاد آیا
سہانا تھا محمد پھل تمن ان (کا) نہن سارا
اناراں میں سہے دانے سو جوں یاقوت تبلیاں میں
ہر ایک پھل اس اناروں پر سہے سکے تمن سارا
کھجوراں کے دسیں چھونکے کہ جوں مرجان کے پلجے
سہاریاں لعل خوشے جوں دسیں دن ہو رہیں سارا
دسیں جاموں کے پھل بن میں نیلم کے تمن سالم
نظر آگے تھیں میویاں کوں را کھیا ہے جتن سارا
چمن آواز سن بلبل اپس میں آپ الاپیں ہیں
سوتس آواز سوں موراں کریں[ا] رقصاں اپن سارا [۱]

(نلهی ساتولی)

نلهی ساتولی پر کیا ہوں نظر
خبر سب گلوا کر ہوا بے خبر
ترا قد سرو نکلے جب چھند سوں
دسن جوت ملنج کوں دسن جہوں قمر
تسو دوری تروانے سنکچے دور نہ ہے
وو کیا بوجھے مو دل میں ہے تو فکر

---

[۱] رسالہ اُردو ج ۲ اورنگ آباد –

"معانی" کے باتاں تے جھوٹا نمک
چہ چاکھے کہے ہے سک سوں شکر [۱]

(بہن غزلیں)

(۱)

گرجا ہے میگھ سر تھے تازہ ہوا ہے بستاں
پھولاں کی باس پایا بلبل ہزار دستاں
اے خوش خبر صبا توں لے جا جو ان تداں کن
چملاں کی آرزو میں بیٹھے ہیں مے پرستاں
او نو نہال پھولاں ہے جام خوئے سوبا دہ
نرگس ایس پلک سوں جھاڑو کرے شبستاں
مکھ نور پر دسے یو مج خط عنبریں او
حوں سوراپر ہے بادل ریحان سوں گلستاں
بے ہوش میرے دل کوں متھے ادھر جلائے
گلزار ہے عجب او دو لعل شکرستاں
ملنج عشق کے گدا کوں ورنگ شاہی دیتا
سب عاشقاں ملنج انگے ہیں طفل جوں دبستاں
روزی ہوا " قطب شہ " تج عشق کا پیالہ
بھرلے ہیں ہر طرف توں جم شوق کے خمستاں

---

[۱] تذکرۂ محبوب الزمن ص ۷۵۹ -

غزل - ۲

پیا باج پیالا پیا جائے نا
پیا باج یکتل جیا جائے نا
کہے تھے پیا بن صبوری کروں
کہیا جائے اما کیا جائے نا
نہیں عشق جس وہ بڑا کور ہے
کدہیں اوس سے مل بیسیا جائے نا
" قطب شہ " نہ دے مجھ دوانے کو پند
دوانے کو کچھ پند دیا جائے نا

غزل - ۳

اب مست اچھے دایم ہمیں مست اچھنے کا ہنگام ہے
ساقی صراحی نقل ہور پیالے سو ہمنا کام ہے
عاشق اول تھے ہیں ہمیں سر مست ازل تھے ہیں ہمیں
نا آج کل تھے ہیں ہمیں زاہد کونیں یہ فام ہے
ملکتا ہے مد مستاں کنے مد باج نیں سکتا رہنے
میخانے کے کوچے منے تو متقی بدنام ہے
ساقی پیالا مدھ پلا پیالہ پیلے ہو تا دلا
اس پیو کون تو لیا کر ملا جس پیو تھے مج آرام ہے
" قطبا " نبی کے آدھار تھے رحمت ہے نت کر تار تھے
تو تج علی کے پیار تھے تلتل نوا انعام ہے [۱]

---

[۱] رسالۂ اردو ج ۲ اورنگ آباد -

سب اختیار مورا تجہ ہات ہے پیارا
جس حال سوں رکھیگا ہے او خوش حال ہمارا
نیدن انجھوں سوں دھوؤں پگ اب پلک سوں جھاڑوں
جی کو خبر سو لیاوے مکھ پھول کا تمہارا
تج خیال کی ہوس تھی ہے جیو ہمن سو زندہ
او خیال کد نہ جاوے ہم سر تھی تک بہارا

(اپنی سالگرہ کے موقع پر لکھا ہے)

نبی کی دعا تھے برس گانٹھ بایا
خوشیاں کی خبر کے دمامے بجایا
پیا ہوں میں حضرت کے ہت آب کوثر
تو شاہاں اوپر مجھ کلس کر بلایا
سورج چند اپے تال ہوکر بجیں تب
مادل ہو فلک تمایاں بجایا
کرے مشتری رقص مجھ بزم میں نت
برس گانٹھ میں زہرہ کلیاں گایا
میرا گلستاں تازہ اس تھے ہوا ہے
مجھ اس باغ میوہ دمبدم کھلایا
خدا کی رضا سوں برس گانٹھ آیا
سہس شکر کر توں برس گانٹھ پایا
دعائے اماماں تھے مجھ راج قایم
خدا زندگانی کا پانی پلایا

نکو پلا مجھے ساقي پیالہ بھر بھر
که پیکے هیں همیں دائم پیالہ اُس کے دست
نکو کرو پلکھی تم بال و پر سوں مغروري
که یے بلکھاں سیتي تم میں هوا هوں مست الست
سدا تو مدح نبي و علي کي کہتا ھے
"معانی" شعر تیرا تو لکھے هیں دست بدست

مکھ تیرے کوں دیکھ کر هوں آج مست
تیرے مکھ کے تھن هوا هوں بت پرست
مکھ عرق میں دور مسکی ھے عجب
میري زردی میں رنگ لعل لب است
خال هندو کا بھلا کر مدنج کیا ھے بت پرست
سب خیالاں اپے پست کرتا ھے میرا خیال دست

خورشید مکھ اُوپر دسے اَبرو هلال عید
اِس ابرواں کو سجدہ کیا ھے وصال عید

کرے کن دلیل و دلائل سوں عشق
دلیلاں میں' هلتے هیں عالم هزار

میزبانی عید کر جگ میں کھلاوو عیش سوں
مطرباں لیا کر گواوو راگ' هور لاؤ عبیر

کر دعا توں بھیج صلوٰتاں محمد پر سدا
اس دعا صلوٰۃ تے ہوگا تجھے فتح کبیر
ہے محمد قطب شہ بارہ اماماں کا غلام
میں سو عاجز داس تیرا یا علی سلج دستگیر

ھاتف ندا کرے کرو اے زمزم صبوح
میرے دلم میانہ رمز نہانہ کر

تھا ہے جگ میں لیلیٰ مجنوں ہور فرہاد کا
اب عشق میرا جلوہ کرتا ہے تیرے پیغام پر
گالیاں سیتی لو نازنیں مجھ یاد کرتا کر سنیا
اب دل کروں قربان اُس دشنام کے انعام پر
ہم بت پرستی چھوڑ کر زاهد نہ کہہ پوجو صمد
ہم کام میں تجھ کیا غرض رہ دھیان لا اب کام پر
دنیا کا حکمت نا بوجھیں ہرگز حکیماں علم سوں
گو وترنا عیش کا نس دن پیا کے نام پر
شعر "معانی" آن بندھے موتی ھیں جگ میں حسن کے
بھردی صدف موتی جمیا اب وار ایزد نام پر

اندھارے شہر پر خورشید تاباں تک منور کر
آبھالی آہ کے داتے میں ملج سھلے ملے دو کر
تمہارے عکس تے روشن ہوا ہے چاند سب جگ میں
وگر نہ زنگ کا ٹھکرا ہے تج بن خاک سر پر کر

ہماری آہ کے شعلیاں تھے پایا ہے شفق لالی
آساماں تھے مہری یودود اُبر چھایا ہے مانظر در
کھیا عرضہ سدو میں ناز سوں کھی کام ہے ملنج کوں
فروری اہ کرتے ہیں نقاب اب حسن کی رو کی
دیو، ایراں رمیں پر بادشاہی تج نہیں ہے عدم
مدن کا نیاں پہ سوتا ہوں بہا سوں دنکھ سر پہ کر
سو اس رنجیر زلفاں سوں کیتاں کرں تو کرتا ہے بلند
مسا داغ غلامی دے ملنجے مجمر میں عنبر کر
خدایا لطف کا باراں بھیج اس شعلہ کے اوپر
کہ جیوں نمرود کی آتش میں ابراہیم سرور کر
رقیباں کھلیاں سن کر ہماری ہوتے ہیں حیراں
" معانی " آپے دل میں علی کا مہر مظہر کر

دنیا کا پھول اُپجتا ہے جفا سوں
پلہ میں رکھ خدایا ملنج آس آزار
محبت می دسے اُس مکھہ صفا میں
ہمن پیالے میں مے بھر ساقی گلنار
دیا اوستاد ملنج تعلیم کچھ ہور
ہمن کچ دیکھ کر باندھے ہیں زنار
درد جانے حکیم خوب دانا
ہمارا درد کیا بوجھیں گے اغیار
" معانی " پر نظر اُس یار کا ہے
سدا اُس نین سوں بیدار دیلدار

مو نظر سامنے نہیں ہے یار
نہیں پانی میں تھرتا دلدار
سامری سحر میں جتا کہ کروں
باطل السحر ہے بچن درکار
دارو کرتے ہوار وضع طبیب
توں دکھا غمزۂ ناز سوں یکبار
بارڈے مہرے جھاڑ کوں یا رب
پھول پھل ہووے تا سبھی گلزار

شکل باغ پانی تے ہوتا ہے پرور
ہمن شاخ میں پانی ہوتا ہے سرور
ہندو ریت کوں دیتے ہیں تم رواجاں
کہ بت خانہ تم نے ہے توڑے ہمن سر
بلائے ملنج وو نازنیں مست ہوکر
سدا راکھ یارب وو مستی کا شکر
صفا مکھ تے پیتا ہوں مے ارغوانی
تو دندیاں سوں لوٹا ہے مریخ اختر

تھرے مکھ کے پانی پہ ظلمات ہے روز
ندستا کہاں پیوں اللہ اکبر
ترے عشق کے تیر تے میں ہوں زندہ
ازل تے ہوا ہے یہ روزی مقدر

منجھے آگ کوئلیاں کی کوئی نہ تاثیر
توڑے عشق کی آگ کا ہوں سمندر
عشق نے منارے اوپر جیو دل سوں
"معانی" کہے بانگ اللہ اکبر

کہاں کوخسرو و دارا و سکندر و جمشید
دل پیالی میں بھریں ساقی شراب لبریز
شعر تیرا در وگوہر ہے "معانی" سب میں
شعر حافظ کے سر اوپر آہے تاج پرویز

دیکھا ہوں سپنا کہ میخانہ کا ہووے در باز
کروں گا شکر گزاروں کا سو دگانہ نماز
ہمن سو عجز کریں او کرے برائی کی بات
سوال نادنی سگ کرتا ہوں او در پر نیاز
تمہارے مکھ کے کعبے کوں جن طواف کرے
نہیں ہے حاجت اسے جاؤ نے نوں تا بغداز

پیا مکھ نور تھے جاوداں ہم عید و ہم نوروز
سورج آوو حمل یا نہ ، عیاں ہم عید و ہم نوروز
شہاں آئے ہیں زینت دیکھنے تم بزم عشرت کا
شہاں کا شاہ دیوے دولتاں ہم عید و ہم نوروز

محمد کي غلامي ملنے خطابی سر بلندي هے
سورج کرناں سوں باندے سایہاں ، هم عہد و هم نوروز

راز نس کا تم ستھیں کہلنا ھوس
تھری بات انکار کا سنانا ھوس
یې کچی کلیاں بھرے باغاں ملیں
وس کی کلیاں باغ تھے چلنا ھوس
بزم تیرا دستا هے رنگیں بہشت
یکدو داناں پیالے سوں کہلنا ھوس
کونلی ڈالی کوں لگے پھل رنگ رنگ
اُس پھلاں سیتی طرا گُندنا ھوس
سب بہشتی حور اُس باساں جھریں
روح کو اُس باس هے سلگنا ھوس
شاعراں پڑتے "معانی" شعر لیک
شعر حضرت مدح پر پڑنا ھوس

هوا فرح بخش هور ساقي سرکش
سمند ناز پر باندھي هیں کس پہ ترکش
سو اس لعل کا گرو عنبر هے کا جیو کا
وو خوشبوئی سگ هوتے عطار بے غش
سورج چاند کوں کہوں کروں تجھ برابر
هسن نہن کا نور هے توں پري وش

"معانی" دیا ترک کر عیش سوں گرچہ
کہ پڑیا ہے تجھ ہاتھہ آنچل سبز وش

متفرقات

دکھ ایک ہے ہر تیک کدھن لاکھ چمن ہے
لکھ جوت ہے ہر تہاروئے تھک رتن ہے
سمدور ہے ایک ' ہور ندیاں نہیں سو ہزاروں
باتاں سو کروڑاں ہیں وے تیک رسن ہے
ملبج عشق گرمی اگ کا یک چلنگی ہے سورج
اس آگ کے شعلہ کا دھواں سات گگن ہے

کفر ریت کیا ہور اسلام ریت
ہر اک ریت میں عشق کا راز ہے

قصیدہ

آج شہ چلیاں شرق نگر تے شتاب
ڈھالی فلک کی اچا او شہِ عالی جناب
چرک فیل مست سوں مکھ لال کر
گرم ہو چلنے لگیاں دن لے کٹک بے حساب

رباعی

مستی کے ملک میں جما نہانی ملتجے
خوباں کے دیکھیں میں ہے مسلمانی ملتجے

حمار کا خم خانہ رہے تھانوں سہرا
ہر مد کا سو بند نگیں سلیمانی ملجھ

نوحہ

دو جگ اماماں دکھ تھے سب جھو کرتے زاری وائے وائے
رتن اول کی لکھیاں جال کر کرتی ہیں خم
یک پوت کو دیکھ رہو یک پوت پر کھیلیں خنجر
کافر کئے کیسے قہر یو زخم کاری وائے وائے [۱]

---

[۱] تاریخ زبان اردو - شمس اللہ قادری م تاج پریس حیدرآباد دکن -
اردو شہ پارے - محی الدین زور مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن -
محبوب الزمن عبدالجبار ملکاپوری - مطبع رحمانی حیدرآباد دکن -
گل رعنا - رسالہ اردو ج ۲ (اورنگ آباد) -

سلطان محمد قطب شاہ

محمد قطب (شاہ) نام، ظل‌اللہ تخلص فارسی کلام میں، اور قطب شاہ اردو میں ہے - محمد قلی قطب شاہ کا بھتیجا، شاعر اور عالم تھا -

اس کے کلام میں محمد قلی قطب شاہ کی سی پختگی نہیں لیکن سلاست اور سادگی میں اس سے کم نہیں -

تلمذ کے متعلق کوئی متحقق بات نہیں کہی جاسکتی لیکن محمد قلی قطب شاہ سے تلمذ کا قیاس غالب ہے - [1]

اس کے شاگردوں میں عبداللہ قطب کے علاوہ اور کسی پر قیاس نہیں ہوتا -

اس کی تصانیف کے سلسلے میں بعض کتابوں پر تنقیدوں اور اردو فارسی کلام کے مجموعہ کا نام لیا جاتا ہے - [2]

سنہ ۱۰۰۰ ھ [۳] میں پیدائش اور سنہ ۱۰۳۵ ھ میں وفات ہوئی -

---

[1] اردو شہ‌پارے میں بھی اس طرف خفیف اشارہ موجود ہے -

[2] اردو شہ‌پارے -

[3] تاریخ اردوے قدیم - محبوب‌الزمن -

ساجن کي ياد

چهبيلی سوں لگيا هے من همارا
که اس بن نهن همن يک تل قرارا
صبوري کو نهيں هے ٹهار دل ميں
صبوري کيوں کرے سو کو ٹهارا
ميا کرنا کرے معشوق اپے هو
کهونسا کيسا کرے عاشق بچارا

تهلق کالا

هوا آئي هے ليکے بهي تهلق کالا
پيا بن سلتا تها مدن والی بالا
سجن مکه شمع باج اجالا نه بهاوے
بهاليا هے منج جهو کوں او اجالا
جو رات آوے چاندني کي مدہم کوں ستاوے
که چلدنا منجے نهں نهن‌سوز لالا
نبی صدقے "قطبا" انندان سوں مل کر
اپس سائيں سوں پيوے جم ۰د پيالا

غزل

چلے چاندنی ميں جب لٹک پيو همارا
اونن عکس ديپے چلدر تهے اپارا
جگوتی مانے هے سائيں کے حسن چهب تهے
اسے مانيں نه پنتهم ميں جگ [يوا سارا

پیا نور بستا ہے ملیح دن جھمک میں
کہ جس نور ہے سورج آشکار
نبی صدقے "قطبا" کا من تجھہ سوں لا گیا
کہ آپ جیو میں تہرا کیتا ہے تہارا

خداداد محل

خداداد محل کوں محمد سنوارے
تو اس میں جنت کے نگاراں نگارے
بلندی محل کا ہے آسماں جیسا
سورج چاند تارے سوں اس تھے سنگارے
نہ اس جگ میں دیکھے کوئی ایسے محل کوں
مگر دھرت پر قدسیاں لیا کے تہارے [۱]

بے دام اس کا خدمت کرتا ہوں اپنے دل سوں
دیتے ہیں دام ان کو ہور کرتے ہیں عنایت
انجانے میں جوانی کیا پند نا سنا
قرآن اور حدیث سوں ترکیب کر کلام
بکرید عید آیا صلوات بر محمد
آنند علم رچایا صلوات بر محمد

---

[۱] اردو شہ پارے – محیوب الزمن ۔ گل رعنا – رسالۂ اردو ۔

پیا سانولا من همارا بھولیا
نزاکت عجب سبز رنگ میں دکھایا

ساقیا آ شراب ناب کہاں
چندر کی پیالے میں آفتاب کہاں
رہن بنا سکي من پیا باج دیکھي
ہوے تن کوں سکھہ جب ملے پیو بالا

میرا دل ہے زر الفت کا کارخانہ
نہیں منجکوں بازار واں کا حاجت

عشق کي پتلي ہے گوري رنگیلي
چتر ناریاں میں دستي ہے چھبد

سنو لوگ میرے پرم کي کہاني
کہ پیلا ہے رنگ عاشقي کي نشاني

عبداللہ قطب شاہ

عبداللہ قطب (شاہ) نام ' عبداللہ تخلص ' سلطان محمد قطب کا بیٹا اور جانشین تھا -

ادب‌نواز علم‌دوست ' عالم اور شاعر تھا ' دکنی اردو نے اس کے عہد میں بہت ترقی کی -

اس کی زبان میں صفائي اور خلوص نسبتاً زیادہ ھے غالباً محمد قطب شاہ (اپنے والد) کا شاگرد رھا ھوگا -

اس کے شاگردوں کے سلسلے میں کسي کا نام معلوم نہیں ھوتا - فارسی اور اردو اشعار کا مجموعہ (دیوان کي صورت میں) اس کي تصنیف ھے -

سنہ ۱۰۲۵ھ میں پیدا ھوا اور سنہ ۱۰۸۳ھ میں وفات پائي [۱] -

(نمونۂ کلام)

اے پري پیکر ترا مکھ ھے آفتاب
دیکھتا ھوں تو رھے نا مجھ میں تاب
قند ھور نبات کلتا ھے اجھوں
دے نہ سکے تري مٹھي لب کا جواب

---

[۱] تاریخ اردوے قدیم - گل رعنا - اردو شہ پارے - محبوب‌الزمن -

واز کیا باتاں نبی کے صدقے پوچھےگا اگر
شاہ عبداللہ کو پوچھہ آکر کہ ہے حاضر جواب

آب حیات تھی ہے زیادہ کہ لب ترا
کرتے ہیں ملنجھہ سوں خضر علیہ‌السلام بحث

ملا غواصي

نام کا پتا نہیں چلتا ، تخلص غواصي ، گولکنڈے کا رہنے والا اور شہنشاہ جہانگیر کا ہم عصر تھا ۔

کلام میں روانی اور اہتمام زیادہ ہے ۔ مثنوي ان کا میدان معلوم ہوتا ہے ، تلمذ کا پتا نہیں چلتا ، اس کے کسي شاگرد کا ذکر تذکرہ‌نویسوں نے نہیں کیا ہے ۔

اس کی دو تصنیفیں مشہور ہیں ۱ - قصۂ سیف‌الملوک و بدیع‌الجمال ۲ طوطي نامہ

پہلی کتاب ، الف‌لیلہ فارسی کے ایک قصے کا مثنوي (اُردو) میں ترجمہ ہے ۔ یہ مثنوی ۱۰۳۵ ھ میں ختم ہوئي ۔ دوسري تصنیف بھي مثنوی ہے ملا ضیاءالدین نخشبی کی فارسي طوطي نامہ کا اُردو میں ترجمہ ہے ۔ جو سنہ ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوئي ہے ۔

سنہ ۱۰۱۴ھ میں پیدا ہوا سن وفات متحقق نہیں [۱] ۔

---

[۱] تاریخ زبان اردو - اردو شہ پارے - تذکرۂ میر حسن - تاریخ زبان اردو -

مثنوی بدیع الجمال

(کشت و خون)

ہوے جمع جنگی ہزبراں تمام
قوی ہور خونخوار امیراں تمام
یک یک جان یک کوہ یا برج جیوں
لے ہاتاں میں قتلے بھرے گرز جیوں
غضب ناک ہو جیوں انگے دل ہوے
کلوجے پہاڑاں کے پھوٹ جل ہوے
سلح پوش پولاد کے کوٹ جیوں
پرآشوب سمدور کی لوٹ جیوں
اوتالے ہو آفت بھرے عزم سوں
کھڑے آکے میدان میں رزم سوں

(ایک بدصورت شہزادی)

وہ تھوبڑ تھا اس کا سو جیوں فیل کا
سر اس کا سو کالا رنجن نیل کا
انکھیاں ڈونگیاں ، دوکھڈے غار کے
دو دیدے بھتر جیوں تھیر گار کے
نکل پیٹ انگے ٹیک آ جیوں کھڑا
اسے پیٹ نے سخت پھوڑو بڑا
ہوبلی کھول جاری کی جیوں اوکھلی
مسل ہو کے دوڑی تھی رومالی

لٹکتی جو چٹڑاں پہ چوٹی دسے
سو جیوں جھاڑ کی پھر موتی دسے
سڑے خوبی بغلاں میں تھے یوں جھڑے
گندا نہر مہوریاں میں تھے جیوں پڑے
یوں سار اس کے جو ٹک پاس جائے
تو لہا حلق میں انتریاں نہاس جائے
اگر لائیں جس تھار مشعل ہزار
ان آدے تو بکھرے پڑے آنہ کار

الہی جگت کا الہی سو توں
کرنہار جم بادشاہی سو توں
ترے حکم تل نوکر آسمان کے
رعیت ملک تیرے فرمان کے

مناجات

عطا کر منجے کچھ ترے ناؤں سوں
دے پرواز منجکوں بلند دھاوں سوں
جلادے مری جیو کی آنکھ کوں
دے ٹک باس منجھ دل کے پھول باگ کوں
سدا کسب میرا تو اخلاص کر
ترے خاص بندیاں میں منج خاص کر
جگا جوت تجھ دھیان کیرا رتن
مرے من کے صندوق میں رکھ منجن

همـا کـر مـلـجھ بـات کے اوج کا
شہنشاہ کـر گھان کـي فـوج کا
مسیحا کا دے ملجھکوں آثـار جـم
مری جیب کوں کـر شکر بار دم

جو توفیق پاکر یو بولیا تمام
مبارک گھڑی میں کیا میں تمام
مبارک گھڑي میں کہا میں تمام
محمد نـبـي پـر هزاراں سـلام

ملا قطبي

نام کا پتا نہیں چلتا ' قطبی تخلص ' گولکنڈے کا رهنےوالا تھا ' عبدالله قطب شاہ کے ساتھہ شاید اس نے اپنے تخلص میں نسبت رکھی ھے ۔

اُس کے کلام میں سلاست کي کمي ' هندي ترکیبوں کی زیادتي ھے —

سنہ ۱۰۴۹ھ میں تحفةالنصائح کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا ھے -

بولوں صفت میں بے گنت
اس خالق جـن و بـشر
نردھار کـر اسمـاں رکـھیا
سـورج ستارے هـور چندر

جوں بزرگی دی عرش کوں
پلکھے اڑے یکہ پالکی
جوں بچ برساں چار سو
انبھڑے بڑاں پائے دگر

بتھاں ستر چھہ سات سو
اس وضع سوں میں جو کہا
باباں ہے چالیس پانچ جو
اسکوں یقیں کر تو شمر
چار بیس پندرہ سات سو
ہجرت سوں تھی اس مصطفیٰ
دسویں ربیع آخر جو تھا
ہور صبح صادق دن قمر

نازش جہاں میں میں کیتا
کیتا برائی کے جو بھی
قطبی دھریا اسہد یو
لایا ہوں سب صاحب نظر [۱]

---

[۱] تاریخ زبان اُردو -

جلیدی

شیخ احمد نام ' جلیدی تخلص ہے ' عبداللہ قطب شاہ کا معاصر تھا ' سنہ ۱۰۶۳ھ میں مثنوی ماہ‌پیکر لکھی :--

نبی دی سو ھجرت کا یو تھا قرار
چہار سال تین بیس بھی ایک ہزار

یہ شعر میں اس طرح پڑھا جائے ؟ --

نبی کی سو ھجرت کا یو تھا قرار
چھَہ سال تین بیس بھی اک ہزار

اس شعر سے تصنیف کا سنہ بھی معلوم ہوتا ہے -

طبعی

نام معلوم نہ ہو سکا ' طبعی تخلص ' گولکنڈہ کا رہنیوالا اور عبداللہ قطب شاہ کا ہمعصر بلکہ درباری شاعر تھا -

کلام میں گداز کے ساتھہ روانی اور لطف زبان دونوں ہیں - اس نے ۱۰۸۱ھ میں نظم گل اندام و بہرام ' ھفت پیکر ھاتفی کی روش پر لکھی ہے ' بعض اخلاقی نظموں کا بھی پتا چلتا ہے -

سوال و جواب

بہرام و گل اندام

بہرام کا سوال

ہوا مجنوں برہ تے سدھہ گلوا میں
اتہا دانا سو دیوانہ ہوا میں

تجے دل میں چھایا ھوں اپس کے
خرابے میں لگایا ھوں دیوا میں
رچایا ھوں ترے غم کے پہاڑاں
عجب ہے نیں سہلنا پھلکر موا میں
صنم تیرے سدل عسوئر برھمن
گلے میں اپے بھایا جانوا میں
ملنچے کیا دیکھتی از ماں دل اندام
پرانا ھوں نہیں عاشق نوا میں

گل اندام کا جواب

تجے حاصل نہیں ہے مجھہ تے بن غم
نکو کر غم میں اپنا پا نو محکم
ترا دل ھو گیا پھوڑا دکھوں تے
نہیں اس زخم کا مجھہ پاس مرھم
کد ھاں تک غم توں کھا گا بول بارے
ملنچے توں چھوڑ دے آج بھوت خرم
پنا گا اس چمن میں تے توں مدو
ھوا کوسہ سخن واللہ اعلم

حب وطن

جکوئي یاد کرتا نیں اپنا وطن
او مردا ہے پیدن ہے اصل کا کفن
اگر کوئي غربت میں شاھي کرے
اگر مال ھور ملکاں اور لاکھاں دھرے

آپس کون دیکھے کھول کر جوں انکھیاں
دیوے خاک تن کا وطن کا نشاں

غور و مشورہ

توں اندیشہ پر کام میں بہوت کر
کہ اندیشہ ہے بہوت عالی گہر
نکر کام ہرگز توں اندیشہ باج
کہ اندیشہ ہے کام کے سر پو تاج
کر اندیشہ ہر کام میں بے حساب
کہ اندیشہ بن کام ہوتا خراب [۱]

ابن نشاطي

نام کا پتا نہیں ؟ ابن نشاطي تخلص یا کنیت سے مشہور ہے ' گولکنڈے کا رہنےوالا عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا زبان زیادہ صاف اور خالص ہے -

اور حال معلوم نہ ہو سکا -

اس کي تصانیف میں ۱ - پھول بن ۲ - طوطي نامہ دو مثنویاں ہیں - اول الذکر کا سنہ تصنیف ۱۰۶۶ھ اور آخرالذکر کا بقول میجر اسٹوارٹ سنہ ۱۰۶۴ھ ہے - [۲]

---

[۱] اردو شہ پارے -

[۲] تاریخ زبان اردو - دکن میں اردو از ہاشمی -

نوٹ - مرتب اردو شہ پارے کي راے ہے کہ طوطي نامہ ابن نشاطي کی تصنیف نہیں -

نمونہ پھول بن

(حمد)

اول میں حمد ربالعالمیں کا
دل و جاں سوں کہوں جاں آفریں کا
خداوندا تجھي هے جسم خدائي
همیشہ تجکوں سا جي کبر پائی
ازل سوں نہیں سمجے تہرا هدایت
ابد کو فہم نهں تہرا نہایت

(نعت)

کروں میں لي هات ابتدا نعت
سچیں حق کي پیمبر کا ادا نعت
محمد پیشوا هے سروراں کي
الهي سر دهل سب پیغمبراں کي

(ملقبت حضرت علی)

زباں کوں میں ادب کے ساتھہ کھولوں
نبي کی جانشیں کا مدح بولو
علي ساری نہاں میں هے سپهدار
علي ساري ولیاں کا هے سردار

(مدح عبداللہ قطب شاہ)

جہاں کا شاہ عبداللہ غازي
خدائي هے تري جم پیش بازي

سعادت کي ليں کا نور ہے توں
شجاعت کی گگن کا سور ہے توں

(آغاز کلام)

جکو نئی ہے باغباں اس پھول بن کا
چمن لاتا ہے یوں تازی سخن کا
کتے ایک شہر مشرق کی کدھن تھا
جو اس کا ناﺅں سو کنچن پٹن تھا
حصار اس کا تھا دریا کے کنارے
دسے خندق ہور دریا تس بندارے

(ابتدائے افسانہ)

کتے کوئی بادشاہ یک اس کدھن تھا
حکومت میں سلیماں کے نمن تھا
تھے اس کے زیر دیواں جگ کي سارے
پریاں اس حکم تھے نہیں نہیال کنارے
بنی آدم جتیوں خدمت میں یکسر
ہوئے تھے و حش و طیر اس کے مسخر
نہ تھا بیٹا سو کوئي اس شاہ کے گھر
ہوا تھا راج بھیتی پر مقرر

اخر میں لکھتے ھیں :—

مسلماناں سو ہے امیدواری
خداناں سو ہے امیدواری

کریلگے تو میرا یہ یو پھول بن لیر
کہوں یکبارگی جو عاقبت خیر

نوري

شجاع‌الدین نام ' نوري تخلص ' گجرات کا رهنے والا تانا شاہ کے وزیر (سید مظفر) کے لڑکوں کا معلم تھا - کلام میں طرز ادا کي سادگي کے ساتھہ لطف زبان بھي ھے -

---

نوري ایس کے دل کي کسي سے نہ کہہ بتھا
حاصل بھلا اب اس سے دوانے جو تھا سو تھا [۱]

فائز

نام کا پتا نہیں ؟ فائز تخلص (ھي سے مشہور) ھے ؟ گولکنڈے کا رھنے والا تانا شاہ کے زمانے میں موجود تھا -

کلام میں عربي اور فارسي الفاظ اور ترکیبوں کي آمیزش ھے - صاف اور ستھرا پرسوز کلام ھوتا ھے -

قصہ رضوان شاہ و روح افزا کو سنہ ۱۰۹۴ھ میں نظم کیا ھے [۲] -

اول نام حق کا لے بولوں سخن
بندوں اس کي توحید کھولوں دھن

---

[۱] تاریخ ادب قدیم - تذکرہ میر حسن -

[۲] اردو شہ پارے - دکن میں اردو -

اتھا جس وقت سال ھجرت ھزار
اس اوپر نود اس کے اوپر چھار
ھوا قصہ رضوان شاہ کا تمام
نبي ھور ولـي پـر ھزاروں سلام

قصہ کا آغاز اس طرح کرتے ھیں :-

چڑھیا باپ کے تخت رضوان شاہ
جمع ھور وزیراں بھي ساري سپاہ
کیتک کو دے انعام کھنا نہال
کسے مال دینا کسے گوشمال
قدیمی وزیراں کو عزت دیا
انوجیوں نصیحت کئي یوں کیا

قصہ کا درمیاني حصہ :-

و ساعت بہوت سعد تھي ظاھرہ
کرے کر شفقت یو او ساحرہ

سنے جب ملوچہر کي سب خبر
سو شیشے کو لے سات آئی اتر

شاھی

نام شاہ قلي خاں ، حیدرآباد کا باشندہ ، قطب شاہ کے لشکر میں سپاھی تھا غالباً اسي نسبت سے اپنا تخلص شاھي اختیار کیا -

کلام میں صفائی زیادہ ہے بندش بھی بہتر ہوتی ہے -

مثلاً تمن کا فہر سے کوئی جھوٹ کو سچ سمجھہ کہے
کس کس کا ملہہ موندوں سجن کوئی کچھہ کہے کوئی کچھہ کہے

مرزا [ا]

نام ابوالقاسم ' حیدرآباد کے باشندے تانا شاہ کے مصاحب خاص تھے اور حالات معلوم نہ ہو سکے -

کلام میں صفائی اور روانی کے ساتھہ گداز کافی ہے -

عارض نہیں چندر کا تیرے گال سوں اچھا
سمجھیں ہمن کلف کر نہ تجھہ خال سوں اچھا
مرزا وہ نونہال کدھر مت گئے چمن
لگتا تھا حق کے ہاتھہ یہ گل ڈال سوں اچھا

(مرثیہ)

الوداع الوداع اے شاہ شہیداں الوداع
الوداع ابن علی دو جگ کے سلطاں الوداع
اس جفا کے تیر بیٹھے ہیں گگن کے تن اوپر
نہن ستارے پھر یو سب دستے ہیں پیداں الوداع
شہہ کا ماتم سن دریا کے موج نت نعرا کرے
غرق ہیں اس غم سوں سب لو لوے مرجاں الوداع [۲]

[ا] عالمگیر نے جب اورنگ‌آباد فتح کیا اس وقت وہ موجود تھے - ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ گوشہ‌نشین ہو کر تھوڑے دنوں کے اندر انتقال کر گئے - تذکرہ میر حسن -

[۲] اردو شہ پارے -

شعرائے بیجاپور

نصرتی

نصرت نام ' نصرتی تخلص ' وطن بیجاپور - ان کے آبا و اجداد فوج میں ملازم ' قوم کے شیخ اور علی عادل شاہ کے درباری شاعر تھے ' ملک الشعرا کا خطاب حاصل کیا تھا -

پرگوئی اور کثرت مشق کے باوجود کلام میں روانی کم ہے مذہب کا عنصر غالب ہے -

تین مثنویاں (علی نامہ - گلشن عشق - گلدستہ عشق) مجموعہ قصائد ' دیوان غزلیات ' ان کی تصنیف ہیں -

سنہ پیدایش ۱۰۳۷ھ سے پہلے قیاس کیا جاسکتا ہے سن وفات ۱۰۹۵ھ ہے -

نمونہ علی نامہ

حمد

سراہا سری اس سکت دار کوں
کہ آدھار ہے اں نرادھار کوں
دیا دور رستم کے پنجے میں زور
پریا قدرتی جس دل میں در یار شور

(ملقبت شهر خدا)

زھے پیشۂ لا مکاں کا دلیر
علی ولی او خدا کا شیر
تو ایک کوٹ ھے برج جس کے تمام
او بارا اماماں علیہ السلام

مدح بادشاہ

قلم آج جو مجھہ جہانگیر ھے
صفت شہ کي لکھنے کی تاثیر ھے
زھے شاہ عادل سمي ولي
علی ابن سلطان محمد بلي

(مذمت طمع)

طمع اھل عزت کو کرتی ھے خوار
کرے جگ میں بے قول و بے اختیار
طمع نام و ناموس کا کال ھے
طمع جیوں کو سکه کے بھونچال ھے

(مدح خواجه گیسو دراز)

جسے ناؤں عالم میں بندہ نواز
محمد حسیني ھے گیسو دراز

نظارے میں عارف نظر یار کوں
دسیں ہر طرف قدرت کا سوں

اس زمانے کے معتبر ضہن نے نصرتی کی زبان پر اعتراض کیا تھا اس کا جواب علی نامہ میں اس طرح دیتے ہیں :—

خریدار کو خوب سودے سے کام
نہ دکان کا دیکھنا سقف و بام
معا میں سیں جابجا بات بول
دکھایا سکت فیض کا حق کے کھول
یک یک فن میں کی سحر کی بہت چھند
خبیثاں کی جوداں کو کیتا ہوں بند
کیا توں سخن مختصر یے گماں
کہ یو شاھنامہ دکن کا تو جان
کہ ہر اک زباں حضرت غیب داں
سکھایا سب آدم کو سو تھے نہاں
ہوئی پستہ جو نسل آدم کی اصل
چلا ناں انھوں کے ہوے فصل فصل
انو میں جو تھے شہر کے اوستاد
گیا رہ زمانہ رہے شعر یاد
سخن بن نزاکت کے نا دیکھ بھول
کہ خوش باس سوں قدر پاتا ہے پھول
نہ کہتا ہوں میں بے وقوفوں کی بات
نہ کم بھول مثالوں تو حاسد نے مات

وے جو سخندان ہیں صاحب تمیز
کہ ریجھہ اس ہنر کو دکھیں نت عزیز

گلشن عشق

(مدح)

عنایت کا تجھہ ہمت ہے عالم نواز
کوئی ذرہ خورشید تھی سرفراز
وہ عالم کوں سو چانوں لک بات میں
دیکھنا چھپاتا پي تجھہ ہات میں
دیا ہے توں خاکي کو ایسا شرف
جو تس سجدہ توري کبھی صف بہ صف

(نعت)

یو نعت سرور عالم محمد مصطفے کا ہے
کھلایا گلشن ہستی اول جس نور کا پاني

(مدح بادشاہ)

خصوصاً شہنشاہ عادل علي
ترا ناوں کا ری جو ہے رت بلي
فضیلت میں تجھہ اج ہے بے خطا
کہ علم لدنی تجھے ہے عطا

توں دانش سوں سب کھول نہ محفوظ اچھے
ترا مدرسہ لوح محفوظ اچھے

(تعریف عقل و عشق)

اچھي عقل یک دولت ناپدید
اچھي عقل مشکل کے جال کي کلید
اچھي عشق خلقت کے جگ کا سبب
اچھي عشق گنجینۂ راز رب

(آغاز داستان)

کہتا یوں قصہ داپذیر
کدھي کھول کر بات یوں بے نظیر
کہ یک روز وو خسرو نیک فن
سخاوت تھي بھرا کہ در عالم من
سو مکھہ ہات دھونے تے فارغ ھو سب
کیا اپني راني تی پوچھوں طلب
دنب تار کوں دن کي جھوکي یہ لال
دھری عشرت کا دن بھوجن کا تھال
ستھیا ھات جیوں شاہ نعمت کی ڈھیر
پکاریا جھمن نل تلک اک فقیر

(خاتمہ)

ھر اک داستاں بولتا دل کي نین
ھر یک بہت ھر یک محل جانشین

صفائي كي صورت كي هے آرسي
دکھن کا کیا شعر هوں فارسي
فصاحت میں کر فارسیاں کا کلام
دهري مغز هندی بچن په مدام
ذکر شعر هندي کسی بعضے هنر
تسکین هے لیا فارسي میں سنور
ملک جگ میں مقبول اچھو پر مدام
بحق محمد علیہ السلام

مولف گل رعنا نے ایک معراج نامہ کا ذکر کیا هے جو عادل شاہ کي مدح پر اس طرح ختم هوا هے :—

حمد هے منعم کیرا خلق په اس دور کے
هے جو سمٹی رسول خسرو ملک دکن
منبع لطف و عطا حامئي دین با وفا
معدن جود و سخا ماحئی کفر کہن
غاري صندر کے دل بل سوں نکلتے دیوں
دشاک سوں بهادي بهپاں ترت ترت توڑن
شه سا لچھن نوال کون هے جگ میں کهو
یاد سے جس اسم کے جاے کدورت مدن
راج سوں شه کے سدا حق توي دیا امن پا
جیو سے ملگے هتهہ پسار دور کے سب مرد وزن
لطف سوں دهریا اِلہ شاہ کی شاهی تلک
جگ میں چلک براچهیں عیش دهرم کے پتن

جام سوں عشرت کے جم بزم یہ مسرور اچھو
چرخ میں دن ایں کے کرم ہیں جہیں انجمن
شہ کی ثنا "نصرتی" ناز و سول یوں لکھی
دور کے دفتر اوپر پراچھے ہے اک بچن [۱]

---

[۱] گل رعنا - تاریخ زبان اُردو - مطلع شعرا - تذکرۂ مہر حسن - دکن میں اُردو -

ہاشمی

سید میراں نام ' ہاشمی تخلص ' بیجا پور کے رہنے والے سید شاہ ہاشم اس دور کے مشہور بزرگ کے مرید تھے ' پیر کے نام کی نسبت سے اپنا تخلص ہاشمی اختیار کیا - اپنے پیر کی فرمایش سے یوسف زلیخا کو سنہ ۱۰۹۹ھ میں دکھنی زبان کی مثنوی میں ڈھالا ہے - کلام میں آورد کا اہتمام زیادہ ہے -

* پیدائش نا معلوم ' وفات سنہ ۱۱۰۹ھ ہے -

(حمد)

ثنا حمد اس کو سزاوار ہے
سگل خلق جس کا یو ستار ہے

(مناجات)

سکت کسی میں ہے جو کرے سر بسر
اپنا " ہاشمی " تو مناجات کر
مرے شعر کرے بادشاہاں پسند
پسند کر کرورا کہیں جو سب ہوشمند
مرے شعر میں دے شجاعت کا بل
جو خوش ہوئے سنکر دلیراں سگل

نوٹ - ہاشمی مادرزاد اندھے تھے ' ہاشمی مولف " دکن میں اردو " کی راے ہے کہ ہاشمی ریختی کے موجد ہیں -مرتب -

غزل ریختی

اگر کوئی آکے دیکھیگا تو دل میں کیا کہیگا
مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جاؤنگی چھوڑ
رہا کر مجھے کر دیلے ہی کرونگی گھر میں میں دارو
اگر مجھے ہوویگی مومرت صبح پر آونگی چھوڑ

عاجز

عارف الدین خاں نام ' عاجز تخلص ' دکن کے باشندے تھے اورنگزیب کی فتوحات دکن کے وقت موجود تھے - کلام کے اندر گداز ' کہنہ‌مشقی اور طرز ادا کی خوبی موجود ہے - قصہ فیروزشاہ ' قصہ ملکہ مصر ' قصہ لال و گوہر ' مجموعہ اشعار اردو (دیوان) ان کی تصانیف ہیں -

نہیں چھوڑا انہوں کا نام مجھہ دل میں ترے غم نے
نہیں بارو تو ظالم چوک مت جی دے کنار اپنا
نہ جاوں کیوں کہ پھر پھر کے ظالم کوہ و صحرا میں
وہاں فرہاد اپنا مونس اور مجنوں ہے یار اپنا

بڑا پگڑ بڑا شملہ بڑا کلہ بڑا دھاڑ
بڑھایا ہے بڑی محنت سے زاہد نے وقار اپنا

شوخ مسجد کو چلا شیخ شتابی چھپ جا
دیکھہ ہووےگی ترے دین کی خرابی چھپ جا

محتسب آج خرابات میں آتا ہے خراب
دختر رز کو بغل مار شتابی چھپ جا

دو بات سے خالی نہیں اشک کا چلنا
آنکھوں کا کہیں لگنا ہے یا دل کا اٹکنا

خوبروئی اس سے کیا ہوویگی خوب
جس نے دیکھا تجھکو سر کو دھن گیا

الٰہی کب دل غمگیں ہمارا شاد ہوویگا
یہ اجڑا شہر یا رب کس گھڑی آباد ہو ویگا

عیش کی مستی کی خاطر شیشۂ عشرت نہ توڑ
دل کو لاغر کر ' لہو پی ' جام جم کو بھول جا

ہے سیلۂ پرسوز میرا عشق کا آوا
دل داغوں سے ہیگا جلے اینٹونکا مجاوا

تری آنکھوں کی گردش ' دیکھہ کے اے خوش‌نگہ بن میں
ہرن نے کھاکے چکر ' رم کو چوکا چوکڑی بھولا

مهرے لہو کا رنگ نہیں تو کہو شتاب
تھی اس طرح سے لال تمہاری رکاب سب

ریختہ

سجن کا تبسم ، سجن کا تکلم ، سجن کی ادائیں ، سجن کی یہ قامت
ہے فردوس ملنچہ ، ہے باغ فصاحت ، سراپا لطافت ، قیامت قیامت
سجن کی جبیں پر ، سجن کے رخ اوپر ، سجن کی بھواں پر ، سجن کی کمر پر
ہے زہرہ تصدق ، ہے خورشید مائل ، ہے قربان کمانیں ، فدائے نزاکت
تری کالی آنکھیں ، تری کالی زلفیں ، تری کالی پلکیں ، ترا خط مشکیں
سیہ مست آہو ہے ناگن کا جوڑا ، سیہ تاب نشتر ہے ریحان جلت
ہماری زبان ہے ، ہمارا سخن ہے ، ہمارا قلم ہے ، ہمارا رقم ہے
ثناخوان بلبل ، معانی کا گلشن ، نہال مقطع مرصع زراعت
ہماری جوانی ، ہماری ضعیفی ، ہمارا قد خم ، ہمارا تواضع
ہے معدوم ''عاجز'' ہے آثار رحلت ، ہے دام ہلاکت ، ہے ہمدوش تربت

ہماری آہ کو سمجھو کہ ہے بڑی دل بلند
وہ گرز ہے کہ جو توڑے فلک کے ساتوں کھنڈ

ساقی مرا چمن میں کرے گر نگاہ قہر
نرگس کے جام چشم میں ٹپکے شراب زہر

جہاں آباد سے گرمی میں کوئی ظالم نہیں ملتا
سمندر درد کا ہے تو وطن کو آگ دے "عاجز"

— —

دیا کانٹوں کو یوں پامال میں پھر پھر کے صحرا میں
کہ مجنوں آہ کر میرا قدم پکڑا کہا بس بس

——

محتسب نے ہوش کو دارو سے دیتے ہیں اڑا
قلعۂ مینا کو جب مستی سے ہلکاتے ہیں ہم

——

مسجد میں اذاں و بتکدے میں ناقوس
وصف اس کے کمال کا کہاں ہے کہ نہیں

——

لالے کی فصل شاید آئی ہے گلشنوں میں
سب گلرخوں نے لب پر مسی جمائیاں ہیں

——

مت ستا محتسب اب ہم کو کہ بے جام و شراب
ہم تو اُس نرگس مخمور کے متوالے ہیں
اس کے ہم دام محبت میں پھنسے ہیں "عاجز"
بال جس شوخ ستمگر کے گھنگروالے ہیں

——

جب بحر اشک میرا کرتا ہے جوش طوفاں
ساتوں فلک کی چادر تر کر کھلکاتا ہوں

کیونکر آہیں شہر کے نزدیک ، صحرا کے غزال
ہے انہوں کی چوکڑی میں رم ہماری آہ سے
شمع کے شعلہ کو کیا طاقت جو تھامے اس کا زور
برق کے اعضا میں ہےگا خم ہماری آہ سے

دل بھری نگاہوں کے ، تیغوں کی نگاہوں میں
کچھ وار نظر آویں ، کچھ یار نظر آویں
ہم آنکھیں بری دیکھیں ، اور تری بھویں دیکھیں
خونریز نظر آویں ، تروار نظر آویں

لکھوں جب اپنی آہ داغ دل کے شور کو «عاجز»
قلم توپ اور سیاھی بس بھری باروت بن جاوے

کیسی نگاہ بن دل رنجور ہو رہا ہے
یہ شیشہ مے کی خاطر سب چور ہو رہا ہے

خیال اس شوخ کا کب مجھ دل بیتاب میں ٹھہرے
کہاں بجلی کا سایہ چشمۂ سیماب میں ٹھہرے

محبت کے چمن کا گل جو بویا ہے یہی دل ہے
بہار عشق کا بلبل جو گویا ہے یہی دل ہے

— —

جدائی کے سخن کو جب گریباں پھاڑ لکھتا ہوں
قلم فی‌الفور تیلنچی ہوکے کاغذ کو کترتا ہے

———

سلگ طفلاں سے گیا شہر سے ڈر کر مجنوں
ہم رہے ہم کو کہاں اتنی یہ دانائی ہے

———

اے زرد پوش تم ہو اگر شاخ زعفران
"عاجز" بھی داغ عشق کا رنگیں پلنگ ہے

———

تری برگشتہ مژگاں کا خیال آتا ہے یوں دل میں
دکن کی فوج جوں بھالے پکڑ جلگاہ پر آوے
تری بانکی گلی میں ہم گذر کر سر سے بیٹھے ہیں
خدا وہ دن کرے قاتل کہ تو اس راہ پر آوے

———

جلجال زندگی سے ' کہا ہو گیا جو چھوٹے
"عاجز" ابھی پڑا ہے ملک عدم کا جھگڑا

———

وہ دوانا ہوں کہ اب شہر کو صحرا سمجھوں
چتر شاہي کو بگولے کا چھلوا سمجھوں
یار کے کا گل و رخسار میں ایسا ہوں دنگ
کہ اندھیرے کو نہ جانوں نہ اجالا سمجھوں

اگر اس شعلہ‌خو کي بزم میں جوں شمع جل سکنے
پتنگے کي طرح جی ہے فدا ہوے کو جل سکتے

عجب شور جنوں ہے اِن دنوں میرے خیالوں میں
کہو مجنوں کو دو دن چپ رہے مجھول سن جاوے
اڑا لوں جب چمن کی خاک سر پر اُس رنگیلے بن
سروں پر بلبلوں کے نکہت گل دھول بن جاوے

دوانو کوہ و صحرا پر جنوں میرا ہوا حاکم
کوئي جاکر کہو فرہاد و مجنوں کا وکیل آوے

مجھسے بیدل کي اگر تصویر کھینچنا چاھیے
اے مصور صورت دل‌گیر کھینچنا چاھیے

دیکھہ دامنگیر محشر میں ترے ہوئیں‌گے ہم
خوں ہمارا اپنے دامن سے نہ اے قاتل چھڑا

"عاجز" ہوں شاہ ملک جنوں میرے واسطے
سورج کلاہ و چتر فلک ہے زمین تخت

ہے ہمارے بت کا دل پتھر کے چہرے کی طرح
کیا کروں اس کی صفت ہے سخت ہیرے کی طرح

ہر سحر کیا دیکھتے ہو آرسی اے سادہ‌رو
ہے تمہارے حسن کے دفتر کی دونوں صاف فرد

جب سے اے رنگیں‌ادا تیرا ہے رنگ گل میں نقش
تب سے میری آہ کا ہے سینۂ بلبل میں نقش

"عاجز" بھی آہ شمع جلاتا ہے باغ میں
روشن اگر گلوں سے ہوا ہے چراغ باغ

باغ میں اس لالہ‌رو کے آہ جب جاتے ہیں ہم
دل کے داغوں کو گلوں کے تازہ کر آتے ہیں ہم

عشق سے خوش‌قامتوں کے سبزپوشی کر پسند
سرو کے بوٹے قبا پر اپنے چھپواتے ہیں ہم

خوش‌نگہ کی یاد میں ساغر کو جب گرداں کروں
یہ تکلف گردن مینا کو نرگس واں کروں
اس حنائی ہاتھ کی تعریف خوں دل سے لکھ
ریشۂ نخل قلم کو پنجۂ مژگاں کروں

چمن میں جاکے وہ رنگیں ادا جب مسکراتا ہے
گلوں سے رنگ اڑ کر لال سا جنگل کو جاتا ہے
ہمارا اشک خونیں یاد میں گل‌رو کے نہ بہ کر
نگہ کو رشتۂ تسبیح یا قوتی بناتا ہے[۱]

مثنوی کا نمونہ

جنوں کے دشت کا بن کر بگولا
خرد کی راہ کو وحشت سے بھولا
سحر سے شام تک مانند خورشید
طلب کے فرق پر رکھ پائے امید
غزالوں کی طرح سرگرم رم تھا
بیاباں اس کو گلزار ارم تھا
برس دو لگ چلا جب راہ میں آہ
نظر میں اس کے آیا دشت جانکاہ

---

[۱] چمنستان شعرا - رائے لچھمن نرائن ' شفیق ' اورنگ‌آباد - م انجمن ترقی اردو اورنگ‌آباد - تاریخ زبان اردو - دکن میں اردو -

کروں اس دشت کی کیونکر صفت کو
زباں پر کس طرح ڈالوں لطافت کو
وہاں هرگز نہ تھا پانی کا آثار
اجل کا کھیت تھا وہ دشت خونخوار
بیاباں عدم کے تھا برابر
وہاں ' تھا جہاں عزرائیل کو ڈر
وہاں کی ریت هیرے کی کنی تھی
وہاں کے کانٹے بھالوں کی انی تھی
وہاں کی گرد تھی پاؤں کی دارو
وہاں کی خاک تھی دوزخ کی بالو

سخن کے دُرکا سمجھو جوهری کر
سخن سنجوں کو میرا مشتری کر
سخن کا لال دے میری زباں کو
دو صلہ هے پھر میرے بیاں کو

پلنچھی

حکیم‌الدین نام ' پلنچھی تخلص ' بلگرام کے رھنے‌والے تھے - حیدرآباد میں قیام کر لیا تھا -

پہلے اپنا تخلص عاجز کیا لیکن عارف‌الدین خاں " عاجز " کا شہرہ ھوا تو پلنچھی رکھہ لیا - اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ھو سکے - غزل میں گداز اور طبیعت میں فطرت‌نگاری ھے - [1]

صنم بنا تو خدائی کا تجھکو کیا نہ ھوا
ھزار شکر کہ تو بت ھوا خدا نہ ھوا

قیامت ھے تر گھونگٹ کے اوٹوں میں لٹک جانا
ملا انکھیاں سوں انکھیاں مسکرا ھنسکر مٹک جانا
نہیں تم سے چلی ھے ناز کی یہ طرح دنیا میں
کہ دکھلا دور سے جھلکی نہ ملنا اور ٹھٹک جانا

---

[1] عارف‌الدین خاں عاجز کے معاصر تھے ' بعض تذکرہ‌نویسوں نے ان کا زمانہ سنہ ۱۰۹۹ھ لکھا ھے - مرتب -

اس قدر نادان نہیں ہوں میں کہ دل باتوں میں دوں
ہر گذری اے سجن تم ہی سے عیاروں کے بیچ

کفر و اسلام کی کچھ بات نہ پوچھو ہم سے
بت عیار کو ہم اپنا خدا کہتے ہیں
در بہ در نالہ و فریاد کیا ہم ہر چند
پر کنھوں نے نہیں پوچھا کہ یہ کیا کہتے ہیں

شاید کہ آج آوے "پلچھی" ترا تماشا
پھڑ کے ہے آنکھ ہر دم ' دل کو لگے ہیں دھڑکے

بہ تنگ آیا ہے ایسی قید کے جینے سے جی میرا
قفس میں کب تلک قسمت ہماری ہے خدا جانے [۱]

بحری

قاضی محمود نام ' ان کے والد بحرالدین قاضی دریا کے لقب سے مشہور تھے - قصبہ گوگی کے رہنےوالے تھے - دکنی زبان میں ان کے تمام اصناف سخن کا کافی ذخیرہ تھا جو برباد ہو گیا -

---

[۱] چمنستان شعرا -

نظم میں تصوف کا عنصر غالب ہے ' زبان بھی بہتر ہے ' ہر صنف میں سوز و گداز ہے ' سب کے آخیر میں مثنوی " من لگن " لکھی ہے جو نکات تصوف پر مشتمل ہے -

(حمد)

اے روپ ترا نرتی رتی ہے   پرمت پربت پکی پکی ہے

(نعت)

ارے اے قلم اس کھڑی نہ کہ جائیں
تک نعت‌نگر کی سیر کر آئیں
ہے سانوں احد نشان احمد
سرخی سواحد ہے پسان احمد

(مدح پیر)

مولا کے محب نبی کے نائب
مانس نہیں مظہر العجائب
ساگر ہیں سہور معرفت کے
بل عین ہیں نور معرفت کے

(مدح عالمگیر)

اب بول توں مدح بادشہ کا
ہور اس کی کمالیت کلہ کا
جس کی یو دوبال پن کی عادت
عالمگیری ہے اور عبادت .

یک ملک نہیں جو ان لیا نہیں
یک نقل نہیں جو ان کیا نہیں
دیلدار ، دلبر ہور دانا
یک علم نہ سب مُنے سیانا

امین

محمد امین، نام عالمگیر کے معاصر تھے ، مثنوی یوسف زلیخا
کو دکنی زبان میں نظم کیا ہے - نمونہ یہ ہے :—

اول تعریف سن خالق اے یار
کہ وے دونوں جہاں کا ہے کرن ہار

مومن

عبدالمومن نام - قوم پٹھان چیناپٹن قلمرو عادل شاہی میں
رہتے تھے اسرار عشق مشہور مثنوی ان کی تصنیف ہے جو سید محمد
جون‌پوری کی سوانح حیات ہے تشبیہات اور استعارات خوبی سے
لاتے ہیں ، یہ مثنوی ۱۰۱۳ھ میں تمام ہوئی ہے - [۱]

عجب دن شب کہ ملنچن سہم کرحل
عروس بدر سر تملا نور کی جل

---

[۱] دکن میں اردو - تاریخ زبان اردو -
نوٹ - ۱۱۰۹ھ ان کا زمانہ تھا

تجمل کا دکھائے جب نبی نوں
چوا چوکی نتیں آلی نکہت سوں
کہ تاجا دجلۂ مغرب مانی چل
سورج کی ضو سوں دل جلوا لگی کل
پرت کی ریت میں بھی دوب لاگی
عروس آپیں ہو جانا شونی جاگی
گھومنے تھی رکن میں نیربسازی
دکھایی بھی فاک کو تیغ بازی
آتا کر رقص رکت تارہ سے سارا
تن ناتن سن نا تن سانا

(احاطہ مدراس و بیجاپور)

ذوقی

شاہ حسین نام، لقب بحرالعرفان تھا، درویش اور متوکل شخص تھے، کلام میں شکوہ لفظی و معنوی دونوں ہیں، اور زبان کی خوبی بھی۔ وصال العاشقین اُن کی مثنوی ہے جو سنہ ۱۱۰۶ھ میں تصنیف ہوئی، نمونہ یہ ہے :-

مگر اے حسن دل کا خوش سرشتہ
لبھایا من کو میرے ہو فرشتہ
اگرچہ اِس سرشتہ سے اول بھی
گندھے ہیں ہار تلال شیخ وجہی
ہوا کیا جو انو یک تار لے کر
گندھے اپنے موافق ہار لے کر

هوئے جو یوں دونوں مل مقابل
پڑیا لرزا زمیں اسمان کے دل

(نمونۂ غزل)

ہے سروقد سکے گا جوں پھول ڈال نازک
مکھ پھول پھل رہیا ہے جیسا گلال نازک
مکھ پھول نار کی سوں ڈالی پھول پھل رہیا ہے
پلکڑیاں سو پھول کھیا ہوں دستیں میں گال نازک
بن کھیا کہ ناز کی سوں لٹکی سکی اگن میں
گویا دیاں شفق میں دستے ہلال نازک [۱]

مجرمی

شاہ نوراللہ نام، بیجاپور کے رہنےوالے تھے؟ کلام میں روانی کا عنصر کم ہے، لیکن قدرت کا پتا چلتا ہے [۲] اُن کی تصنیف مثنوی "گلشن حسن دل" ہے جو سنہ ۱۱۱۴ھ میں لکھی گئی، نمونہ یہ ہے:-

(حمد)

جتا حمد ہے سو خدا کونچ ہے
ثنا ہور صفت بھی اسی کونچ ہے

---

[۱] دکن میں اُردو -

[۲] دکن میں اُردو -

جو درگاہ اس کی اھے بے نیاز
ایس سوال ایس ہے وہ بے نیاز
نہ قادر ہے قدرت میں اس سار کا
نہ پیدا کیا ہے ایس سار کا

(آغاز مثنوی)

زباں اور نظر دونوں مل یار ہو
چلے ہیں تماشے کو اک تھار ہو
چلے جب تماشے کو مل کے ملوک
تو دیکھتے تمیز کر کو کرتے سلوک
سلوک سوں ہر ایک ملک کالے خبر
تو واقف ہو پھرتے تھے کرتے نظر
کتے ہیں ولایت کو اے دونوں
عجائب شہر ایک پائے دونوں

(تاریخ تصنیف)

یو بارویں صدی میں پھر یو قصہ تمام
جو چودا برس نہیں ہوئے تھے تمام

(نام)

اس عاجز کا ناؤں شاہ بہر اللہ فقیر
جو سید میراں اس کا ہے دستگیر [۱]

---

[۱] دکن میں اُردو -

نتھو اولیا

نتھو عالم نام ، ایک مثنوی ان کی تصنیف ہے اس کا نمونہ یہ ہے اور حالات معلوم نہ ہو سکے [۱] ۔ کلام میں روانی ہے ۔

عجب میں جو زاہد جھٹک آستیں
تما شیکوں جو جوڑی نظر پاک بیں
ایسے دھات شو گشب میں تھار تھار
جہاں شو کھڑا ہے نہیں وار نہار

بچھایاں مرصع کے کرسی اُدھر
باندیا درمیاں پردہ ، باریک تر

ولی دکھنی [۲]

محمد فیاض نام ، قوم سید ، وطن ویلور (احاطہ مدارس) ہے ۔ عالمگیر کے معاصر تھے ۔

کلام میں ، اُردو زبان پر ہندی عناصر کا غلبہ ہے ، روانی اور سلاست کافی ہے ۔

---

[۱] دکن میں اُردو ۔

[۲] ۔ یہ مشہور شاعر ولی اورنگ آبادی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ، بلکہ بالکل دوسرے شخص ہیں ۔ مرتب ۔

ان کی تصنیف ذیل کی دو مثنویاں ہیں ۔

[۱] رتن پدم ۔

[۲] روضۃالشہداء ۔

ریاست خاں ' رئیس ساتگرہ نے ان کی بہت قدردانی کی تھی ' کچھ دنوں ان کے دربار میں آئے ' اس کے بعد نواب عبدالمجید ساکن کڑپا کے پاس آئے ' نواب نے ان کو سد ھوٹ کے قلعے میں ایک عہدے پر مامور کر دیا ۔

'' رتن پدم '' میں ولی نے اپنے ان واقعات کا اس طرح ذکر کیا ہے :—

ریاست خاں امیر ایک نامور تھا
سکونت گاہ اس کو ساتگڑھ تھا
اتھا او اہل درد و نیک اعمال
رفاقت میں اتھا میں اس کی خوشحال
قضاراں واں سوں ہو قسمت نے برخاست
سو آیا میں طرف کڑپا کے دھرخواست
نواب عبدالمجید ' ابن الحمید ایک
اتھا واں نامور ' صوبہ سعید ایک
سو او بحسر شجا پروانہ لکھ کر
بہ سلک نوکراں مجھ منسلک کر
تعین کر مجکوں سدھوٹ کو روانہ
کیا او صاحب شہریں زمانہ
سو حسب الحکم میں سدھوٹ کو آیا
رنگارنگ واں تماشے میں نے پایا

"ولي" نہرے نرم کي ہے مجھے آس
نہ کر، اُس آس سوں ہرگز تو نہراس

"ولي" ہے یو سبب خالي بہانا
اسي کا کام ہے دینا دلانا [۱]

"روضۃالشہدا" میں ولي نے واقعات کربلا نظم کئے ہیں اس کے علاوہ انہوں نے ایک مناجات بھي لکھي ہے جس کا نمونہ یہ ہے :—

(مناجات)

یا الٰہي زهد و تقوىٰ نہیں ہوا مجھ ہات سوں
کچھ عبادت ہور ریاضت نیں ہوا مجھ ذات سوں
سر بسر ہوں منفعل اس کام ہور اس بات سوں
یا غفورالمذنبیں مجھ حال پر احساں کرو

مقصود

مقصود بیگ نام، مقصود تخلص تھا - بیجاپور کے رہنے والے، ولي کے شاگرد فقیري کے معاصر تھے - [۲]
نمونۂ کلام یہ ہے :-

لوگاں کہیں پتھر سوں کچھ سخت نہیں و لیکن
جو کوئی پیا سوں بچھڑا وہ سخت ہے پتھر سے

---

[۱] تاریخ زبان اردو -
[۲] تذکرۂ میر حسن - چمنستان شعرا -

صبائي

احمداباد کے رھلے والے ' ولی کے معاصر تھے [۱] - بالکل عامیانہ مذاق میں کہتے تھے -

زر یہ ھے آشنائي' زر سے ملے ھے بھائی
زر نہیں تو ھے جدائي ' دنیا میں جو ہے زر ھے

احمد

احمد نام اور تخلص ' گجرات وطن ھے ' زیادہ حالات معلوم نہیں - عربي فارسی کے علاوہ سنسکرت اور بھاشا زبانوں کے بھی عالم تھے ' ولی کے معاصر تھے - نمونہ کلام :-

احمد بتائوں کیا کریں اب راہ عشق میں
سر پر تو سانجھ [۲] پڑگئی اور پاؤں تھک گئے

آگاہ [۳]

محمد باقر نام تھا - ذی علم شخص تھے ' تصانیف کثیرہ ان کي طرف منسوب ھیں ' زیادہ تر نظم ھي ان کا میدان

---

[۱] دکن میں اردو -

[۲] لفظ " سانجھ " بجائے " شام " استعمال کیا ' اس سے ان کے صحت مذاق کا پتا چلتا ھے کیونکہ " تو " اور " پڑگئي " کے درمیان " سانجھ " مناسب اور موزوں ھے - مرتب -

[۳] دکن میں اردو

رھا ھے - "آگاہ" پہلے شخص ھیں جنھوں نے اُردو نظم میں سیرت کي مکمل اور صحیح روایات پر مبنی کتاب لکھي ھے ' عروض کی پابندیوں کے ساتھ اپنی وادی میں رواں ھیں ' ان کي تصنیف میں " ۱ - ھشت بہشت " " ۲ - من در پن " دو کتابیں ھیں -

پہلی کتاب سیرت میں ھے اور دوسري میں معجزات نبی بیان کئے ھیں -- سنہ ۱۲۲۰ھ میں وفات پائي [۱] -

" نمونہ من درپن " :-

(آغاز)

بقول و قوت پرورد دگر اب
میں لکھتا ھوں اسے با اختصار اب
بہ ترتیب لطیف و حسن اسلوب
کہ جو دیکھے سو بولے ھے بہت خوب
اگرچہ ' معجزوں کے ذکر اندر
ھیں نسخے بہوت دکھنی اے برادر
ولے اکثر غلط اس کا بیاں ھے
محدث پاس جھوٹ اس کا عیاں ھے
حدیثوں میں نہ ھو جس کوں ٹھکانا
حرام اس کا ھے پڑنا ھور پڑانا
میں "من درپن" رکھا ھوں نام اس کا
جلا دینا ھے دل کو کام اس کا

---

[۱] محبوب الزمن -

جب اس سے حسن مطلق ہے نمودار
ہوا یہ نام اس کے تئیں سزاوار

نمونہ ہشت بہشت :—

سال نہم میں وفود آے بہت
ایمان اس شاہ اُپر لاے بہت
نام اس سال کا ہے سال وفود
معنے اس کے ہے جماعت سن زود
جو وفود آے ہیں نزد سالار
ساتھ سے کچھ ہیں زیادہ اے یار
ہور اس سال میں ہے جنگ تبوک
جس کی سختی میں بہیں ہے کچھ چوک
اس سبب سے بکلام علم
اس کے تئیں " ساعت عسرت " ہے نام

(آغاز سیرت)

شروع حسن سیرت کو کرتا ہوں اب
بیاں مختصر اس کا کرتا ہوں اب
تھے اخلاق سب شاہ کے باکمال
نہ تھا اول ملے کوئی اس کی مثال
کہا عائشہ پاس آ ایک جوان
" کہ اے مادر مہرباں کر بیاں
شہنشاہ کے اخلاق تھے کس وضا
مجے یک بھک اس کے تئیں سب سنا "

کہی عائشہ اسکوں اے ہوشیار
ہے تفصیل اُس کی نہایت سی بہار
و لیکن میں کہتی ہوں اب مختصر
کہ خُلق اس کا قرآن تھا سر بسر

وجدی

وجیہ‌الدین نام، قوم شیخ، کرنول کے باشندے تھے، کلام میں سلاست زبان کا لطف غالب ہے طرز ادا میں بے ساختگی ہے ۔ دکنی اُردو میں ان کی حسب ذیل مثنویاں ہیں ۔

۱ - باغ جانفزا ضخیم مثنوی ہے - سنہ ۱۱۳۵ ھ میں تصنیف ہوئی چنانچہ باغ جانفزا تاریخی نام ہے -

۲ - پنچھی باچھا، شیخ فریدالدین عطار کی مشہور مثنوی منطق‌الطیر کا ترجمہ ہے - سنہ ۱۱۴۹ ھ میں تمام ہوئی -

۳ - تحفۂ عاشقاں، یہ بھی شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی ''گل و ہرمز'' کا ترجمہ ہے - سنہ ۱۱۵۲ ھ میں ختم ہوئی -

نمونہ باغ جاں فزا

دنیا میں رہ کے دنیا سوں جدا اچھ
جدا ہوکر، طلبگار خدا اچھ
قلندر ہو کے ست دے خود پرستی
دیوانا ہو کے دکھلا جوش مستی

شراب عشق سوں ، کر دل کو سر مست
پکولے نہستي نـا هوئے گا مـست
مرادِ دل سـمجھہ لے ، نا مرادی
که غم سوں پائیگا توں راه شادي
بہشتي حور طوبے قد ، پري رخ
مبارک شـکـل چـهـرا فـال فرخ

پری صورت هے توں ، لیکن پري نئیں
که انسـاں بن یو حسن دلبري نئیں
که اے روشن گہـر ، ماه جہاں تاب
سوا تجھ کـوں جوانـي کا اچھـو آب
فـلـک اک گـوشـۂ ایـوان ، اس کا
زحل سو کمتریں ، دربـان اس کا
کرے مریخ وهـاں ، خنجـر گـذاري
اتي خورشید کـوں ، چوکی کي باری
مقابل مطرباں کا راگ ، هور رنگ
بجي طنبور سر منڈل دف و چنگ
عجب دلکش هے بـزم مے پرستاں
خصوصاً هوے جب ، هاے هوے مستاں

کریگا کون ، میـری کارسـازي
دوستی هوئیگي ، عاشق نوازي

---

۱ - باغ جانفزا کی تاریخ اس طرح نکالی ہے :—

یو ہے بیان خاتمہ جی شکر سوں بولیا ہوں میں
تاریخ حس کے ختم کا ، آیا ہے باغ جاں فزا

——

۲ - پنچھی نامہ یا پنچھی باچھا :—

اصل میں یو تھا ، کلام فارسی
اهل معنی کو ، مثال آرسی
خوشترین تصنیف شیخ نامدار
پیشوائے عارفان روز کار
شیخ صاحبدل ، فرید نامور
خاص جن کا ہے لقب عطار کر

——

تھا ولے جوں ، فارسی میں ، یو کلام
کم سمجھ سکتے تھے اس کو، خاص و عام
گرچہ میں بھی کچھ نہیں ، معنی شناس
کاں مجھے ، اس کے سمجھنے کا قیاس
لیکن اس کو دیکھ کر ، دلچسپ بول
یک بیک یوں دل منے ، آیا کلول
جو موافق فہم اپنی کے ضعیف
اس کتاب خاص کا ، نظم شریف
قصد کر ، دکھنی زباں میں لیکے آؤں
تار ہے دنیا منے میرا بھی ناؤں

——

اے پنچھی پیارے ، سخن آغاز کر
حمد سوں ، حق کے ، بلند آواز کر
شوق سوں ، ایسا رچایا یک چھچا
جو رہے تر لوگ کا ، عالم لوبھا
گلشن وحدت ، ہے تہرا اشتیاں
احدیت کا راز ، سب تجھ پر عیاں
سر کشی سب چھوڑ دے ، ہو سر نگوں
درد سوں کر ، دل کوں اپنی غرق خوں
گر تجھی ہے ، ہمت معلے بلند
دل نکو برداو و تباں سات بند
جانے کا دونوں جہاں سو کر گذر
بیٹھ ذوالسرنین کی ، جاھات پر

ایک دن ، سب جگ کی پنچھی جانور
مل کر بیٹھے ، جمع ہو یک تہار پر
ہے ہر یک فرقہ ، میں یک بادشا
نہیں ہمن کوں بادشاہ ، سو کیا کہا

خاتمہ کی تاریخ لکھتے ہیں :—
جب کیا تارخ کا ، دل میں حساب
تب ہوا میزان کہا خاصا کتاب
سنہ ۱۱۳۶ھ

---

۳ ۔ تحفۂ عاشقان :—

(آغاز)

کروں پاک دل ' ھور زباں پاک سوں
ثنا پاک ' اس عاشق پاک سوں

قضارا دسیا مجکوں ' یک بار کا
گل و ھرمز ' اس ھیچ مطار کا
ھوا شوق پیدا ' منجھے بعد ازاں
کہ دکنی زباں سو ' کروں ترجماں

قافیہ کے لئے ترجمہ کو ترجمان کیا ھے ۔

سال تصنیف میں لکھتے ھیں :—

دیے اس کی تاریخ مجکوں عیاں
پچھا نو اسے تحفۂ عاشقاں [۱]
سنہ ۱۱۵۳ھ

---

[۱] دکن میں اردو ۔
تاریخ اردوے قدیم ۔

خاکی

سید محمد جمال‌الدین نام ، قادری لقب ، خاکی تخلص تھا ، قریب قریب ہر صنف میں شعر کہے ہیں ، ان سب میں خوبی زبان ، طرز ادا اور مضامین تصوف کا غلبہ ہے - سنہ ۱۲۱۱ھ میں مثنوی " فیض عام " لکھی -

جائز نہیں آہیں ، ہجر کی شب کی ، شکایتیں
مجکوں خصوص ، آج تو روز وصال تھا

اپنے معشوق سنگ ہو رہنا
ایک دل ایک رنگ ہو رہنا
حال واصل کا ، ہے یہی " خاکی "
دیکھ دلبر کوں دنگ ہو رہنا

حمد ، اگر ظہور نہ ہوتے جہان میں
پاتے خدا کی ذات کوں ، کس کا مجال تھا

صدق ، میں صدیق اکبر ، کبریا
زہد اور تقویٰ سکی او بے ریا

میں عمر ' دائم عدل سوں بے بدل
اس صفت سوں ' اُن کوں حق نازل کیا
ہے حیا کے سنگ نت ایماں قرار
صاحب ایمان عثماں با حیا
ہے ولایت اور شجاعت جس پہ یار
او علی مہلی ہیں اہلیا
یو خلیفے چار ' برحق جان توں
بے شبہ ' حق مرتبہ ان کوں دیا

مست ہوکے خیال میں رہنا
گم اُسی کے جمال میں رہنا
ناقصوں کا ہے کام اے '' حاکی ''
اپنے فخر و کمال میں رہنا

بلبل کوں ' گل سے مطلب ' خاروں کی کب ہے پروا
جو عشق میں دیا سر ' ماروں کی کب ہے پروا

حق کے مخفی راز کا ' سن لے بیاں
پوچھ مت ہم ' سن تو اخبار بہشت

تاب گل ' ہم میں ' جو تصویر صنم کی دیکھیں
نقش ہوجائیں ' کہو دیکھ اسے دیوار کے سات

صنم کا ناز ' عاشق کی نیازی
نزاکت ہے ' نزاکت ہے ' نزاکت
ہوا ' جب کعبۂ مقصود مشہور
زیارت ہے ' زیارت ہے ' زیارت

ہوش کہو ' محو ہو رہا ہوں
دیکھ کر ' میں ترا ادا ' اے شوخ

پیو ' کل میں محیط ہو بالا
ہے او ظاہر ' نہاں ' کچ کا کچ

ہشیار اے ، او ' بے خبر ' ہے جسم میں ترے ' یزید
یا مار کر غازی ہو توں ' یا مر کہ ہو اس سوں شہید

ہوں میں کل قید غیریت سوں ' خلاص
بلکہ دایم ہوں عینیت سوں خلاص
پیو سوں ' نا جدا ہوں ' نا شامل
ہو رہا ہوں میں عبدیت ' سوں خلاص

اب تلک ' منتظر ہوں ہم ' پیو کے
پیو نہ آیا نظر ' خدا حافظ

ہے نگہبانی ' در پہ ' مہوش کے
سگ دربان سوں ' قروں لب لگ

نہیں ہے مجکوں خوف کچھ ' روز جزا
یا محمد ' توں ہوا ہے جب کفیل

کیوں کروں ' میں غیر کے اوپر نگاہ
نیں جدا ' میری نظر سوں ' او صنم

نور سوں رب کے ' محمد ہے عیاں
ہے عیاں نور نبی سوں ' کل جہاں

ہمارے سرکا چھتر ہے ' " جمال " اے " خاکی "
دئے ہیں ' دست کوں ہم ' سایہ دار کے ہاتھوں

ارے دل کی ہے روشنی ' جاگنے میں
کہ ہوتا ہے مفلس غنی ' جاگنے میں

تری انکھوں کی کیا کروں ' تعریف
حوض کوثر کے ' خاص کاسے ہیں

ہوش دیکر ' کبھی کریں بےھوش
پھر کبھی ' ھوشیار کرتے ھیں

بندگی کون تو چھوڑ بیٹھا ہوں
میں ' خدائی سوں سوز بیٹھا ہوں

دلوں پہ نقش ہوا ھیکا ' یار کے ھاتھوں
بنی ہے صورت زیبا ' نگار کے ھاتوں

' خاکی '' سخن کہا ہے ' تصوف کے باب میں
کر غور ' اس کے شعر سوں ' انکار مت کرو

اصل تیرا ہے نام ' بسم‌اللہ
ورد کر ' صبح و شام بسم‌اللہ

کون ہے تجھ بنا مرا والی
جو کروں اس سوں داد و فریادی

جسکے بر میں روز و شب دل دار ہے
بت پرستی سوں ' اسے دو کار ہے

عشق بازی میں کرے عاشق غرور
کم نگاہی کی سزا درکار ہے [۱]

آزاد [۲]

فقیراللہ نام ' وطن حیدرآباد تھا ' ان کی غزل پر ولی نے غزلیں لکھی ھیں -

(نمونۂ کلام)

" آزاد " سے لیتا ھوں ' یہ مصرعۂ مناسب
جس سے کہ یار ملتا ' ایسا ھنر نہ آیا

سب صنعتیں جہاں کی ' " آزاد " ھمکو آئیں
پر جس سے یار ملتا ' ایسا ھنر نہ آیا

شعرائے اورنگ آباد

۲۰ — ولی اورنگ آبادی

محمد ولی نام ' اورنگ آباد کے رھنے والے تھے -

ولی دھلی بھی گئے تھے ' بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ھے کہ وھاں اُن کی بہت قدر ھوئی -

---

[۱] سالنامہ اخبار رھبر دکن - (حیدرآباد دکن) -
[۲] دکن میں اُردو - چمنستان شعرا -

'' شاہ گلشن '' مشہور فقیر اور شاعر سے ، ملاقات کی اور اپنے اشعار سنائے ، انہوں نے صلاح دی کہ

'' ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بے کار افتادہ اند
در ریختہ بکار ببر ار تو کہ محاسبہ خواہد گرفت

(تذکرۃالشعرا - ۸۹)

ولی کے کلام میں سلاست اور روانی اس قدر ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس دور کے ' داغ '' ہیں - زبان کو خالص اردو بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں ، اپنا مطلب اس طرح ادا کرتے ہیں کہ سننے والا متاثر ہو جاتا ہے غزلوں میں سوز و گداز ، مثنوی میں روانی ، قصائد میں شکوہ ، رباعیوں کے اختصار میں تصوف مسائل دور سے نمایاں ہیں -

کلیات ولی - نورالمعرفت (تصوف میں) ان کی تصانیف ہیں - بہ‌قول '' آزاد '' ولی سعداللہ گلشن کے شاگرد تھے - ولی کے شاگردوں میں بعض تذکرہ نویسوں نے مرزا '' داؤد '' کا نام لیا ہے جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں :—

کہتے ہیں سب اہل سخن ، س شعر کو سن کر
تجھ طرح میں ، '' داؤد '' '' ولی '' کا اثر آیا

سنہ ۱۰۷۹ھ میں بمقام اورنگ‌آباد پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۵۵ھ میں احمدآباد (گجرات) میں وفات پائی -

کہتا ہوں ، ترے نانوں کوں ، میں ورد زباں کا
کرتا ہوں ، ترے شکر کوں ، عنوان بیاں کا

هر ذرۂ عالم میں ہے ' خورشید حقیقی
یو بوجھہ کے ' بلبل ہوں ' ہراک غنچہ دہاں کا
جاری ہوئے آنجھو مرے ' یو سبزۂ خط دیکھہ
اے خضر قدم ! سیر کر اِس آبِ رواں کا

کتابت بھوجلی ہے ' شمع بزم دل کوں اے کاتب
پر پروانہ اوپر لکھہ ' سخن مجھہ جانشانی کا
عزیزاں بعد مرنے کے نہ بوجھو تم ' کہ تنہا ہوں
لکھا ہوں ' پردۂ دل پر ' خیال اُس یار جانی کا
شراب جلوۂ ساقی سوں ' مست کر مجھ ' اے زاهد
یہی ہے مقتضا ' عالم میں ' ہنگامِ جوانی کا

کیا مدهوش مجھہ دل کو ' انکھڑی توں ساقی نے
عجب رکھتا ہے کیفیت زمانہ نیم خوابی کا

ہوئی ہے آرسی جوگن ' ترے مکھہ کے تصور میں
بھبھوتی مکھہ پہ لیا ' دم مارتی ہے خاکساری کا

طالب نہیں ' ماہ و مشتری کا
دیوانہ ہوا ' جو تجھہ پری کا

تجهه تل سے ' اے آفتاب طلعت
ممنون هوں ' ذرہ پروری کا

صحبت یار بےپروا کي ' سجلے میں هے ' رات هور دن
یہي مطلب هے ' رات هور دن نمازي ' هور نیازی کا

شغل بہتر هے ' عشق بازي کا
کیا حقیقی و کیا مجازي کا
آج تیري نگه نے ' مسجد میں
هوش کهویا هے ' هر نمازی کا

چاهتا هے اس جہان میں گر ' بہشت
جا تماشا دیکهه ' اس رخسار کا
آرزوئے چشمۂ کوثر ' نہیں
تشنۂ لب هوں ' شربتِ دیدار کا

کیا کرے تعریف دل ' هے بےنظیر
حرف حرف ' اس مخزنِ اِسرار کا
گر هوا هے ' طالب آزاد گي
بند مت هو ' سجه و زنّار کا

چهوں لالہ ' بجز آتش خاموش لب یار
مرہم نہیں عالم میں ' '' ولی '' داغ جگر کا

روح بخشے ہے کام ' تجھ لب کا
دم عیسیٰ ہے نام ' تجھ لب کا

اُٹھنا تجھ سے ہو کے ' ہم زانو
حیرت افزا ہوا ہے ' گلشن کا

اس قد سے ' جس چمن میں ' وہ سو نہال ہوگا
کیا سرو ' کیا صنوبر ' ہر اک نہال ہوگا

یاد آتا ہے مجھے جب ' وہ گلِ باغِ وفا
اشک کرتے ہیں مکاں ' گوشۂ داماں میں آ
حسن تھا پردۂ تجرید میں ' سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا ' صورت انسان میں آ
درد مندوں کو بجز درد نہیں صیدِ مراد
اے شہِ ملکِ جنوں ' غم کے بیابان میں آ

نقش دیوار کیوں نہ ہو ' عاشق
حیرت افزا ہے ' بیوفا کی ادا

اے "ولی" ، درد سر کی دارو ہے
مجھکوں ، اُس صندلی قبا کی ادا

دل عشاق کیوں نہ ہو ، روشن
جب خیال صنم ، چراغ ہوا

جو "ولی" ہے ، مرجع ہر جزو و کل
وہ مرا مقصودِ جان و تن ہوا

سینۂ بلبل و قمری کو کیا ، مخزن درد
جبکہ اس سرو نے ، سیر گل و شمشاد کیا

تب سے ہوا ہے ، محمل لیلیٰ کی شکل دل
جب سوں ، ترے خیال نے ، دل میں گزر کیا

خدا دیا ہے مجھے ، سو ہزار عجز و نیاز
جو سر سے پاؤں تلک ، تجھکوں شکل ناز کیا

صحن گلشن میں جب ، خرام کیا
سرو آزاد کو ، غلام کیا

غمزۂ شوخ نے ، بہ نیم نگاہ
کام عشاق کا ، تمام کیا

ہے قد ترا سراپا ، معنئی ناز گویا
پوشیدہ میرے دل میں ، آتا ہے راز گویا
ہر یک نگہ میں تیرے ، ہے نغمۂ محبت
ہر تار تدھہ نگہ کا ، ہے تار ساز گویا
ہے قبلہ رو ہمیشہ ، محراب میں بھواں کے
کرتی ہیں تیری پلکاں ، مل کر نماز گویا

پی کے ہوتے ، نہ کر تو مہ کی ثنا
معتبر نہیں ہے ، حسن دور نما
باعث نشۂ دوبالا ، ہے
حسن صورت کے ساتھہ ، حسن ادا
اے گل باغ حسن ، مکھہ سوں ترے
جلوہ پیرا ہے ، رنگ و بوے حیا

کم نما ہے نو جواں میرا ، برنگ ماہ نو
ماہ نو ہوتا ہے دائم ، اے عزیزاں کم نما
مدعائے عاشقاں ہر آن ہے ، دیدار یار
یار کے دیدار بن ، دوجا عبث ہے مدعا

۱۰۵

کیمیا عاشق کے حق میں ہے' نگاہ گل رخاں

گل رخاں سوں جگ کے' پایا ہوں ''ولی'' یہ کیمیا

(نعتیہ)

لا مکاں پر جب احمد ' جو دلہا بیٹھلایا

تب ملائک نے وہیں ' صلوا علیکم گایا

حور و غلماں نے ' ترانے سوں ' وہ نغمے بولے

قاب قوسین کا نوشہ ' تو ہے سب کو بھایا

تھے براتی وہاں ' آدم سوں لگا ' تا عیسیٰ

اور جبرئیل امیں ' گوندھ کے سہرا لایا

حق نے ' لولاک لما حق میں محمد کے ' کہا

ان سوا ' کون ہے مرسل نے ' یہ رتبہ پایا

کیوں ہو سکے ' جہاں میں ' ترا ہمسر ' آفتاب

تجھ حسن کی اگن کا ہے ' یک اخگر آفتاب

دیکھا جو تجھکوں ' آپ سے روشن جہان میں

سر سوں لیا ' نقاب زریں مکھ پر آفتاب

ترے جلوے سوں ' اے ماہ جہاں تاب

ہوا دل سر بسر ' دریائے سیماب

ملیا وہ گلبدن جس کوں ' اسے گلشن سوں ' کیا مطلب
جو پایا وصل یوسف ' اس کو پیراھن سوں ' کیا مطلب
سجن ' صاحب سخن کا ' سن کے ملنے کي ھوس مت کر
جواھر جب ھوے حاصل تو پھر معدن سوں ' کیا مطلب

ترے مکھ پر ' اے نازنیں ' یو نقاب
جھلکتا ھے ' جیوں مطلع آفتاب
ادا فہم کي ' دل کي تسخیر کوں
ترا قد ھے ' جیوں مصرعۂ انتخاب

مدت کے بعد ' آج کیا جو ادا سوں بات
کھلنے سے اس لباں کے ' ھوئي حل مشکلات
دیکھے سوں مجھکوں آج شب و روز نیک ھے
وہ زلف و رخ ' کہ جن سوں عبارت ھے دن و رات

زبان حال سوں کہتا ھے یو شمشاد ' ھر ساعت
پڑیں گے قید میں ' اس قد کوں دیکھ ' آزاد ھر ساعت
بچے گا کب تلک ' اے طائر دل ' زور وحشت سوں
نگہ کا دام ' لے آتا ھے وہ صیاد ' ھر ساعت

ھر درد پہ کر صبر ' "ولي" عشق کي رہ میں
عاشق کو نہ لازم ھے ' کرے دکھ سوں شکایت

لب ترے پر ' کہ روح کا ہے قوت
کاتب ناز نے ' لکھا ہے سکوت
جو ہوا داغ عشق میں ' اس کوں
تختۂ لالہ سوں ' کرو تابوت
اے '' ولی '' سبزۂ لب دلبر
خوشنمائی میں ہے ' لب یاقوت

روایت خضر سے ' پہونچی ہے ' مجھ کو
کہ اس کا خط ہے ' سبز آب یاقوت

شوخ میرا ' بے میا ہے ' الغیاث
صاحب جور و جفا ہے ' الغیاث
وہ صنوبر قامت گل‌زار حسن
محشر ناز و ادا ہے ' الغیاث
اس کماں ابرو کا ' ہر تیر بلا
جیوں خدنگ بے خطا ہے ' الغیاث
پائمال قاتل رنگیں ادا
خون عاشق ' جیوں حنا ہے الغیاث
بلبل باغ وفا ہوں ' میں '' ولی ''
وہ سراپا بے وفا ہے ' الغیاث

انکھوں کو تیرے دیکھ کے ' گلشن میں گلبدن
نرگس ہوا ہے شوق سوں بیمار ' الغیاث

ھے جلوہ گر صنم میں ' بہار متاب آج
لیتا ھے ' اس کے ناز و ادا کا حساب ' آج
عالم کا ھوش کھونکہ رھے گا ' عجب ھوں میں
چوتا ھے اس کے نین سوں ' رنگ شراب آج
کیا ناز ' کیا غرور ھے اس نوبہار میں
دیتا نہیں ' سلام کا میرے جواب ' آج

جولاں گری میں ' گرم ھے وہ شہسوار آج
سینے سے عاشقوں کے ' اُٹھی ھے غبار آج
بے شک کریگا ' خاطر عشاق باغ باغ
آیا ھے التفات پہ ' وہ نوبہار آج

آخر کو رفتہ رفتہ ' دل خاکسار نے
تیری گلی میں ' آ کے کیا ھے مکان ' آج
شعلے کوں ' دل کے ھچ ھے ' جانا فلک اُپر
برپا کیا ھوں ' آہ سوں میں ' نردبان آج

بے تاب آفتاب ھے ' تب سوں جہان میں
دیکھا ھے تجکوں ' جب ستي ' اے رشک نور صبح

زھے طرب ' کہ ھوا بزم عیش میں دم ساز
صنم کے لعل سوں ' یاقوت بے بہاے قدح

اگر اشارت ابرو ' کرے وہ ماہ تمام
ہلال بزم میں ' ہو چرخ زن ' بجائے قدح

کیا ہے دفع ' مرے درد سر کوں ' رونے نے
ہوا ہے حق میں مرے حسن دیدہ ' صندل سرخ

ہمیشہ ہے ' بہار سرو آزاد
نہ جائے ' دولت حسن خدا داد
خلاصی کیونکہ پائے ' بلبل دل
نگاہ مہرباں ہے ' دام صیاد

گر آرزو ہے تجھکوں ' مقصد کے گل کا کھلنا
تک بند کر زباں کو ' مکھہ میں ' کلی کے مانا

کُھلا ہے ' عقدۂ دل ' تجھہ پلک کی سوزن سوں
ترے ذہن کا ' اشارہ ہے ' قفل دل کی کلید

اے " ولی " ترک علائق ' دل کو ' لذت بخش ہے
جیوں ہے ' دنیا دار کو ' فکر سروساماں ' لذیذ

یاد ، تجھہ خط سبز کي ، اے شوخ
زخم دل پر ھے ، مرھم زنگار
بسکہ پایا ھے ، تجھہ جفا سوں شکست
خانۂ دل ، ھوا ھے ، آئینہ وار

، بہہ ، جو تجھہ خط کو دیا ، مشک ختن ، سوں
عالم کوں ، وہ آگاہ کیا ، اپنی خطا پر

مت تغافل کو راہ دے ، اے شوخ
حگ ھلسائي نہ کر ، خدا سوں ڈر
ھے جدائی میں ، زندگي ، مشکل
آ جدائي نہ کر خدا سوں ڈر
عاشقاں کوں ، شہید کرکے ، صنم
کف ، حنائی نہ کر ، خدا سوں ڈر
آرسی دیکھہ کر ، نہ ھو مغرور
خود نمائی نہ کر ، خدا سوں ڈر
اس سوں ، جو آشنائے درد نہیں
آشنائی نہ کر ، خدا سوں ڈر
اے " ولي " غیر آستانۂ یار
جبہہ سائي نہ کر ، خدا سوں ڈر

رحم بوجھا ، ستم برابر ہے
تو وليہاں اُبر ، کرم مت در

کہا درد کہے ، کون کہے درد مرا ، جا
اے آہ ، مرے درد کی ، تو جا کے خبر کر

اے '' ولي '' آیا ہے ، وہ مقصود دل
خانۂ دل ، خوں سوں ، رنگ آمیز کر

صنعت کے مصور نے ، صباحت کے صفحے پر
تصویر بنائي ہے تری ، نور کو حل کر

میں ، تجھے آیا ہوں ایماں بوجھ کر
باعث جمعیت جان ، بوجھ کر
رحم کر ، اس پر کہ آیا ہے '' ولی ''
درد دل کا تجھکوں ، درماں جان کر

جلوں عشق ہوا ، اس قدر زمیں کو محیط
کہ پارسا کو ہوئي ، موج بوریا زنجیر
زبان قال نہیں ، طفل اشک کوں ، لیکن
زبان حال ، سوں کرتے ہیں عشق کي تقریر

اُن نے ' پایا ہے منزل مقصود
عشق جس کا ہے ' هادي و رهبر
ترک لذت کی ' جس کوں ہے لذت
شکر اس کو ہے زهر ' زهر شکر
آشنایاں کوں ' موج آب وفا
ہے محبت کي تیغ کا ' جوهر

هوا نہیں ' وہ صنم صاحب اختیار ' هنوز
بجائے خود ہے ' رقیباں کا اعتبار هنوز
" ولی " جہاں کے گلستاں میں ' هر طرف ہے خزاں
ولے بحال ہے ' وہ سرو گلعذار هنوز

آزاد ' اپنے عشق سوں مت کر ' " ولی " کے تئیں
تیرا غلام ' جگ میں کہایا نہیں ' هنوز

خواب میں دیکھا تھا ' تیري زلف کوں
دل میں ہے ' باقي پریشاني ' هنوز

تشنہ ' آب زندگاني هوں
بوسہ دیکر بجھا ' تو موري پیاس

اے " ولی " اس کا زہر ، کیوں اترے
جن نے کھایا ہے ، مرے عشق کا نیش

ذوق دیدار یار ہے ، جس کو
طلب عشق میں سدا ہے ، حریص

جیوں گل ، شگفتہ رو ہیں ، سخن کے چمن میں ہم
جیوں شمع ، سر بلند ہیں ، ہر انجمن میں ہم

شراب شوق سے ، سرشار ، ہیں ہم
کبھو بے خود ، کبھو ہشیار ہیں ، ہم
دو رنگی سے تری ، اے سرو رعنا
کبھو راضی ، کبھو بیزار ہیں ، ہم

اے آفتاب طلعت ، دل پر مرے نظر کر
تا یک پلک میں ، آوے تجھ پاس مثل شبنم

صنم کے لعل پر ، وقت تکلم
رگ یاقوت ہے موج تبسم
شکستگی کے بعد ، عیش کا امیدوار رہ
آخر ہے روزہ دار کوں ، اک روز عید یہاں

دل ہوا ہے مرا ، خراب سخن
دیکھ کر ، حسن بےحجاب سخن
راہ مضمون تازہ ، بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے ، باب سخن

گریۂ عشاق سوں ، خنداں ہے ، باغ بزم حسن
مغز پروانہ سوں ، روشن ہے ، چراغ بزم حسن

خوبئی اعجاز حسن یار ، اگر انشا کروں
بے تکلف ، صفحۂ کاغذ ، ید بیضا کروں
ہندوئے زلف پری رو ہے ، پریشانی فروش
بیچ دے مجھکوں ، سودے میں اگر سودا کروں
رات کو آؤں ، اگر ، تیری گلی میں ، اے حبیب
زیور لب ، ذکر " سبحان‌الذی اسریٰ " کروں

میری طرف سے ، جا کے کہو ، اس حبیب سوں
گر مجھ کوں چاہتا ہے تو ، مت مل رقیب سوں
اس بےوفا کی طرز سوں ، شکوہ نہیں " ولی "
ہے جنگ ، رات دن مجھے اپنے نصیب سوں

پروانہ وار عشق میں تیرے ' جو جیو دیا
اس کا کفن ہے ' رشکۂ شمع نگاہ سوں

سینہ روئی نہ لے جا ' حشر میں دنیاے فانی سوں
سینہ نامے کو ' دھو اے بےخبر ' انجھوؤں کی پانی سوں

میری طرف سوں ' جا کہو اس ماہ عالم تاب کوں
یک رات ' فرش خواب کر ' مجھ دیدۂ کم خواب کوں
گر عشق میں آیا ہے توں ' اے دل! گریباں پارہ کر
لیتے ہیں ' اس بازار میں ' بےتابئی سیماب کوں

خدایا ! ملا صاحب درد ' کوں
کہ میرا کہے درد ' بے درد کوں

اس کے قدم کی خاک میں ہے ' حشر کی نجات
عشاق کے کفن میں رکھو ' اس عبیر کوں

بخشی ہے ترے نین نے ' کیفیت مستی
تجھ مکھ نے ' خبردار کیا ' بےخبری کوں

کرے فردوس ، استقبال اس کا
تصور جو دھرے ، تیری گلی کوں

فدائے دلبرِ رنگیں ادا ، ہوں
شہید شاہد گلگوں قبا ، ہوں
گیا ہوں ، دیکھ نرگس کا تماشا
طلبگار نگاہ با حیا ، ہوں
سدا رکھتا ہوں شوق ، اس کے سخن کا
ہمیشہ تشنۂ آب بقا ہوں
قدم اس کے پہ رکھتا ہوں سدا سر
" ولی " ہم مشرب رنگ حنا ، ہوں

میں عاشقی میں تب سوں ، افسانہ ہو رہا ہوں
تیری نگہ کا جب سوں ، دیوانہ ہو رہا ہوں
شاید وہ گنج خوبی ، آوے کسو طرف سوں
اس واسطے ، سراپا ویرانہ ، ہو رہا ہوں

میں ، یو تجھہ لب کوں ، قند بولا سوں
لب کوں تیرے ، قند بولا ہوں
قد کو تیری ، کہا ہوں سرو سہی
بات یو ، میں بلند ، بولا ہوں

تمھرے خیال آنے کی ، پاؤں اگر خبر
سینے کوں ، داغ عشق سوں گلزار کر رکھوں

آے اگر ، وہ شوخ ستمگر ، عتاب میں
جرأت جواب کی ، نہ رہے آفتاب میں
تمھاری نگاہ مست ، کہ ہے جام بےخودی
رکھتی ہے کیفیت ، کہ نہیں ہے شراب میں

عیاں ہے رنگ کی شوخی سوں ، اے شوخ
بدن تیرا ، قبائے صندلی میں

دل نے تسخیر کیا ، شوخ کوں ، حیرانی میں
آرسی ، شہرۂ عالم ہے ، پری خوانی میں
دل بیتاب ، کہ اک آن نہیں اس کوں قرار
زلف دلدار سے ہمسر ہے ، پریشانی میں

کیونکہ سیری ہو ، حسن سے تیرے
دھوپ کھانے سے ، پیٹ بھرتا نہیں

اے نور جان دیدہ ، ترے انتظار میں
مدت ہوئی پلک سوں پلک ، آشنا نہیں

مجھے ، گلشن طرف جانا روا نہیں
اگر گلشن میں ، وہ رنگیں قبا نہیں

مجھ کیں ، تجھ بن کسو سے کام نہیں
فکر ناموس و ننگ و نام نہیں
صف عشاق کو ، بہ کعبہ قسم
بجز آوارگی ، امام نہیں

زندگی ، جام عیش ہے لیکن
فائدہ کیا ، اگر مدام نہیں

خوش قداں ، دل کو ، بلند کرتے ہیں
نام اپنا ، بلند کرتے ہیں

خوبرو ، خوب کام کرتے ہیں
ایک نگہ میں ، غلام کرتے ہیں
کم نگاہی سے ، دیکھتے ہیں وہ
کام اپنا ، تمام کرتے ہیں

گل مقصد کا ، ہار ڈالے ہیں
نقد ہستی ، جو ہار ڈالے ہیں

پھونکہ نکلے ' برہ کے کوچے سوں
زلف تیری نے ' مارڈالے ھیں

صدق ہے ' آب و رنگ گلشن دیں
پاک بازی ہے ' شمع راہ یقیں
جھکہ رویا ھوں ' یاد کرکے تجھے
چشم میری ہے ' دامن گلچیں

زلف تری برھمن ' مکھہ ہے ترا آفتاب
مکھہ ہے ترا آفتاب ' زلف تری برھمن

ہے قصۂ دراز کے ' سننے کی آرزو
اُس زلف تابدار کی ' تعریف سر کرو

مت تمھیں ' انتظار ماہ کرو
ماہ رو کو ' چراغ راہ کرو
سفر عشق کا اگر ہے ' خیال
ہمت دل کو ' زاد راہ کرو
سرخ روئی ہے ' عاشقاں کی تمام
گر رقیبوں کو ' روسیاہ کرو

اپنی خوبی کے ' اگر طالب ہو
اپنے طالب کو ' جلایا نہ کرو
پاکبازوں میں '' ولی '' ہے مشہور
اس سوں ' چہرے کوں چھپایا نہ کرو

غفلت میں ' وقت اپنا نہ کھو ہشیار ہوشیار ہو
کب لگ رہے گا ' خواب میں بیدار ہو بیدار ہو
وہ نو بہار عاشقی ' ہے جیوں سحر جگ میں عیاں
اے دیدہ ! وقت خواب نیں ' بیدار ہو بیدار ہو

موری طرف ' ساغر بکف آیا ہے ' وہ مست حیا
اے دل ! تکلف دو طرف ' مستانہ ہو مستانہ ہو
مج کوں ' خمار ہجر سوں ' پیدا ہوا ہے درد سر
اے گردش چشم پری ' پیمانہ ہو پیمانہ ہو
اے عقل کب لگ وہم سوں ' یکجا کریگی خارو خس
آیا ہے سیل عاشقی ' ویرانہ ہو ویرانہ ہو

ترے حسن کو ' جس نے دیکھا نہیں
تصیبوں میں اس کے ' ندامت اچھو

مبادا محتسب ، سرمست ، سن کر تان میں آوے
طنبورا آہ کا ، اے دل بجا آہستہ آہستہ

وفاداری نے دلبر کی ، بجھایا آتش غم کوں
کہ گرمی ، دفع کرتا ہے ، گلاب آہستہ آہستہ
" ولی " مجھ دل میں آتا ہے ، خیال یار بے پروا
کہ جیوں انکھیاں منیں آتا ہے ، خواب آہستہ آہستہ

ہوا ظاہر ، خط روئے نگار ، آہستہ آہستہ
کہ جیوں گلشن میں آتی ہے ، بہار آہستہ آہستہ

گریاں ہے ابر ، چشم مری اشکبار دیکھ
ہے برق بیقرار ، مجھے بیقرار دیکھ
اے شہسوار تو جو چلا ہے رقیب پاس
سینے میں عاشقوں کے ، اٹھا ہے غبار دیکھ

مجھکوں لگتا ہے ، اے پری پیکر
آج تیرا جمال ، کچھ کا کچھ
اثـــر بـــادۂ جـــوانـــی ہے
کر گیا ہوں ، سوال کچھ کا کچھ

اے '' ولي '' دل کوں' آج کرني ھے
بوے باغ وصال ' دچھه کا کچھه

حشر کا خوف '' ولی '' دو تو نہیں ھے واللہ
ھے شفاعت جو وھاں ' احمد مختار کے ھتھه
ھوا ھے جب سوں ' وہ نور نظر انکھاں سوں جدا
نہیں نظر میں مری ' سب سوں عمر بے خوابی

اس سجن سوں آشنا ھے درد مند
درد دوري ھے وبال دوستي
اے '' ولی '' ھرآن کر مشق وفا
ھے وفاداری ' کمال دوستي

طریقہ عشق بازاں کا عجب نادر طریقہ ھے
جو کئی عاشق نہیں ' اس کوں مسلماں نر نہیں گنتے
گریباں جو ھوا نہیں چاک ' بے تابی کے ھاتھوں سے
گلے کا دام ھے ' اس کوں گریباں نر نہیں گنتے

وہ راحت دل و جاں ' جب وھاں مقام کیا
ھوا ھے درد ' دل و جان بےقرار کرے

میں اپنی آنکھوں کو ' واللہ فرش راہ کروں
گزر جو میری طرف کوں ' وہ شہسوار کرے

مست ہونا عشق میں تیرے ' صنم
ناکسی ہے ' ناکسی ہے ' ناکسی
باعث رسوائی عالم ' " ولی "
مفلسی ہے ' مفلسی ہے ' مفلسی

اشک خوں آلود ہے ' سامان طغرائے بہار
سہر فرمان وفاداری ہے ' داغ عاشقی
گر طلب ہے تجھکوں ' راز خانۂ دل ہو عیاں
آہ کی آتش سوں ' روشن کر چراغ عاشقی

دیکھا ہوں جب سوں ' خواب میں وہ چشم نیم‌خواب
صورت خیال و خواب ہوئی مجھکوں ' خواب کی

زلف نہیں ' تجھ مکھ پر ' اے دریائے حسن
موج ہے یہ ' چشمۂ خورشید کی
تجھ دہن کو دیکھ کر ' بولا " ولی "
یہ کلی ہے ' گلشن اُمید کی

ے عزیزاں ' سیر گلشن ہے گل داغ الم
چلمت احباب ہے ' معنی میں باغ زندگی
کیوں نہ ہووے اے "ولی" ' روشن شب قدر حیات
ہے نگاہ گرم گل رویاں ' چراغ زندگی

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اُسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے
نہ ہووے اُسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے

تعریف اُس پری کی ' جسے تم سناؤگے
تا حشر ' اُس کے ہوش دوں ' اُس میں نہ پاؤگے

نہ جاوے تجھکو چھوڑ ' اے گلشن ناز
مرا دل بلبل باغ وفا ہے
مرا دل کیوں نہ جاوے ' اس گلی میں
گلی ' اس دل ربا کی دل کشا ہے
سجن کے حسن کوں ' تک غور سے دیکھ
کہ یہ آئینۂ " معنی نما " ہے
نہیں واں آب ' غیر از آب خنجر
شہادت گاہ عاشق ' کربلا ہے

فلیسفت بوجهه ملنے کوں ' " ولي " کے
نگاہ پاکبازاں کیمیا ہے

گر تجھکو ہے ' عزم سیر گلشن
دروازۂ آرسي کھلا ہے
یک دل نہیں آرزو سے خالي
برجا ہے ' محال اگر خلا ہے
تسخیر ہوا ہے گوش گل کوں
بلبل کا " ولي " عجب دلا ہے

عدم ہے ' تجھ دہن کا جگ میں ثاني ' اے پری پیکر
اگر " بالفرض والتقدیر " ثانی ہے ' تو عنقا ہے

قد ترا ' رشک سرو رعنا ہے
معنی نازکي سراپا ہے
ساقي و مطرب ' آج ہیں ہم رنگ
نشۂ بے خودي ' دوبالا ہے
اِس کے پیچوں کا ' کچھ شمار نہیں
زلف ہے ' یا یہ موج دریا ہے
سبب دل ربائي عاشق
مہر ہے ' لطف ہے ' دلاسا ہے

اُ شتابی ' تھیں تو جاتا هوں
کیا کروں ' دل اُداس هوتا هے
تجھہ جدائی میں ' نهیں اکیلا میں
درد و غم ' آس پاس هوتا هے

میرا دل ' مجھہ سے کرے بے وفائی
پسند خاطر خوباں هوا هے
عزیزاں ! کیا هے پروانے کے دل میں ؟
که جی دینا اسے ' آساں هوا هے
برنگ گل ' فراق گل رخاں میں
گریباں چاک ' تا داماں هوا هے

دیکھہ ! اُس کی دلا بارانی
چاند پر ' آج ابر آیا هے

ظاهر هوا هے مجھہ په ' ترے ناز سوں صنم
رنگیں بہار حسن ' بہار عتاب هے
پوشیدہ حال عشق رهے کیونکر ' اے "ولی"
غماز تار زلف ' خم پیچ و تاب هے

عاشق بے تاب سوں طرز وفا
جوں ادا محبوب کی ' محبوب هے

لخت دل پہ، خط لکھا ہوں یار کو
داغ دل، مہر سو مکتوب ہے

"ولی"! جو عشق بازی میں، حقیقت سوں نہیں واقف
سخن اُس کا، قیامت میں، گل باغ ندامت ہے

غم نہیں، مجنوں کو، ہرگز اے "ولی"
خانۂ زنجیر، اگر آباد ہے

کیوں نہ ہو، فوارۂ خوں، جوش زن رگ رگ ستی
ہر نگاہ تیز خوباں، نشتر فصاد ہے
آسماں اوپر، نہ بوجھو چادر ابر سفید
جا نماز زاہد عزلت نشیں، برباد ہے
سرو کی وارستگی اوپر نظر کر، اے "ولی"
باوجود خود نمائی، کس قدر آزاد ہے

عشق میں صبر و رضا درکار ہے
فکر اسباب وفا درکار ہے
چاک کرنے جامۂ صبر و قرار
دلبر رنگیں قبا درکار ہے
زلف کو وا کر، کہ شاہ حسن کوں
سایۂ بال ہما درکار ہے

عزم اس کے وصل کا ھے ' اے "ولی" !
لیکن امداد خدا درکار ھے

مت نصیحت کر '' ولي '' کو ' اے سخن ناآشنا
ترک کرنا عشق کا ' دشوار ھے ' دشوار ھے

نہ سمجھو خود بخود دل بے خبر ھے
نگہہ سوں ' اس پري رو کے ' اثر ھے
مروت ترک مت کر ' اے پری رو
محبت میں مروت معتبر ھے
ترے قد کے تماشے کا ' ھوں طالب
کہ راہ راست بازي ' بے خطر ھے

اگر پوچھے ' وہ بے پروا مرا ناؤں
کہوں ' مشتاق رند لا أبالي ''

نثار اس کے قدم اوپر ' کروں انجھواں کے گوهر سب
اگر کرنے کوں دلجوئي ' وہ سرو خوش ادا نکلے

ہر اک نقش قدم سوں ' دستۂ گل جلوہ پیرا ہو
اگر سیر گلستاں کوں ' وہ رشک صد چمن نکلے

چھوڑ اے شوخ ! طرز خود کامی
مت ہو ' ہر دیدہ باز کا ' دامی
اے " ولی " ! شہر عشق ' حرف دگر
پختہ مغزوں کے نزد ہے خامی

سجن ! تیری غلامی میں ' ُتہا ہوں سلطنت حاصل
مجھے ' تیری گلی کی خاک ہے ' تخت سلیمانی
" ولی " کوں ' گر ترے نزدیک گُتی دیکھے ' تو یوں بوجھے
لگی ہے صفحۂ ہستی اُپر ' تصویر حیرانی

آغوش میں آے کی تہاں تاب ہے ' اس کوں
کرتی ہے نگہہ ' جس قد نازک پر گرانی
مت دور ہو' اک آن ' "ولی" پاس سوں ہرگز
اے باعثِ جمعیتِ ایامِ جوانی

جو میرے حال کی گردش کوں ' دیکھے
اسے گرداب گرداں ' یاد آوے
" ولی " ! میرا جلوں جو گُڈی کہ ' دیکھے
اسے کسوہ و بیاباں ' یاد آوے

اُس وقت ' مجھے دعوئے تسخیر ' بجا ہے
جس وقت ' مرے حکم میں ' وہ عشوہ گر آوے

جامے میں ' غنچے کی نمن ' رہ نہ سکوں میں
گر پی کی خبر لے کے ' نسیم سحر آوے

سرود عیش گاویں ہم ' اگر وہ عشوہ ساز آوے
بجاویں طبل شادی کے ' اگر وہ دل نواز آوے
حلب عشق میں ' مجھکوں نہیں زنجیر کی حاجت
اگر میری خبر لینے کو ' وہ زلف دراز آوے
'' ولی '' ! اس گوہر کان حیا کی ' کیا کہوں خوبی
مرے گھر اس طرح آتا ہے ' جیوں سینے میں راز آوے

عالم میں ' ترے ہوش کی تعریف کیا ہوں
ایسا تو نہ کر کام ' کہ مجھ پر سخن آوے

مستی نے تجھ نین کی ' بے خود کیا '' ولی '' کوں
آوے جو بزم سے میں ' کیوں ہوشیار جاوے

دل چھوڑ کے ' یار کیونکہ جاوے
زخمی ہے شکار ' کیونکہ جاوے
جب لگ نہ ملے ' شراب دیدار
انکھیاں کا خمار ' کیونکہ جاوے
ہے حسن ترا ' ہمیشہ یکساں
جنت سوں بہار ' کیونکہ جاوے

انجھوں کی ، اگر مدد نہ ہووے
مجھ دل کا غبار ، کیونکہ جاوے

کہاں ہے آج یارب ! جلوۂ مستانہ ساقی
کہ دل سوں تاب، جی سوں صبر، سر سوں ہوش، لے جاوے

چمن میں جلوہ گر ، جب وہ گل رنگیں ادا ، ہووے
خزانِ خاطرِ عاشق ، بہار مدعا ہووے

آلودہ کیوں نہ ہووے داماں پاک زاہد
جب دست نازنیں میں ، جام شراب ہووے
تیرے لباں کے آگے بسرجا ہے ، اے پری رو
گو آب زندگانی ، موج سراب ہووے
کیوں بےخودی نہ آوے، اس وقت، اے "ولی" مجھ
وہ سرو نازپیکر ، جب مست خواب ہووے

تجھ رخ سے جب کنارے صبح نقاب ہووے
عالم تمام روشن ، جیوں آفتاب ، ہووے

وہ ، محبت میں تری ، فانی ہوئے
روز و شب ، جو محو حیرانی ہوئے

عشق میں، اُس رشک لیلیٰ کے، "ولی"
مثل مجنوں کے، بیابانی ہوئے

عشاق کی تسخیر کوں، بالا یہ بلا ہے
یا نار مجسم ہے، کہ تصویر ادا ہے
یا لفظ ہے رنگین، ہم‌آغوش معانی
یا بر میں، گل اندام کے، گلرنگ، قبا ہے
جانا نہیں گلشن کی طرف، صبح وہ گلرو
پوچھا ہے کہ، وہاں آہ میری باد صبا ہے
بیماریٔ عاشق ہے، تجھہ انکھیاں ستی لیکن
صد شکر کہ تجھہ لب منٖیں، ہر دکھہ کی دوا ہے

تیری تعریف کرتے ہیں ملائک
ثنا تیری، کہاں حد بھر ہے ؟

رگ جاں سوں، ہوا ہے خوں جاری
یاد تیری پلک کی، نشتر ہے
مکھہ ترا، بحر حسن ہے جاناں ؟
زلف پر پیچ، موج عنبر ہے
تجھہ بن، اے نور بخش محفل دل
حال مجلس، تمام ابتر ہے

زندۂ جاوید ' شہدا کیوں نہ ہوں
موجۂ آب بقا ' شمشیر ہے
کیوں نہ ہووے ' آپ سر سوں ' تا قدم
جوہر کان حیا شمشیر ہے
کعبۂ فتح و ظفر میں ' اے " ولی "
شکل محراب دعا شمشیر ہے

— —

کیا کہے حیراں تیری تعریف ' اے آئینہ رو
مو بمو تیرا سراپا ' ناز کی تصویر ہے

———

غیر حیرت ہے ' خبر اس آئینہ رو کی کسے
راز کے پردے میں ' جس کی خامشی آواز ہے
رو برو ہونے میں اُس کے ' حال دل ظاہر ہوا
جلوۂ آئینہ رویاں ' کاشف ہر راز ہے
درد مندوں کی نظر سوں ' اُس کا گرنا ہے بجا
جو برنگ طفل اشک عاشقاں ' غماز ہے

———

کرنے کو ' سیر راہ حجاز و عراق عشق
عشاق پاس ' ساز و نوا سب نیاز ہے

———

ہے گل رعنا ' بہار حسن کا
ناز تیرا ' جو نیاز آمیز ہے

شوق کے مرکب کوں ' راہ عشق میں
اے سجن ! تری نگہ ' مہمیز ہے
تجھ تغافل سوں ' ہوا ہے رو نما
گریۂ عاشق ' کہ خوں آمیز ہے

آج گلگشت چمن کا ' وقت ہے اے نوبہار
بادۂ گل رنگ سوں ' ہر جام گل لبریز ہے

ہم کوں شفیع محشر ' وہ دین پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری ' عذر گناہ بس ہے
دل لے گیا ہمارا ' جادو سوں وہ پری رو
دیوانگی ہماری ' اس پر گواہ بس ہے

اے صنم ! تیرے دہن کے شوق سوں
ہر کلی میں ' نغمۂ ناقوس ہے

دیکھنا تجھ قد کا ' اے نازک کمر
باعث خمیازۂ آغوش ہے
کیوں نہ ہو امید کا ' روشن چراغ
شمع محفل ساقیِ مے نوش ہے

کیا تری زلف ' کیا ترے ابرو
هر طرف سوں ' مجھے کشا کش ہے
تجھ بن ' اے داغ بخش سینه و دل
چمن لاله ' دشت آتش ہے

مست جام عشق کوں ' کچھ غم نہیں
خاطر ناصح ' اگر ناصاف ہے
جب سوں ' وہ آتا ہے همراہ رقیب
درد مندان کا سخن ' اعراف ہے
اے " ولی " ! تعریف اس کی ' کیا کروں ؟
هر طرح ' مستغنی از اوصاف ہے

اے دوست ! تیری یاد میں ' دل کو کمال ہے
نقش مراد آئینه ' تیرا خیال ہے
آ اے مه دو هفته ' مرے پاس ایک روز
هر آن ' تجھ فراق کے سینے په سال ہے
روے زمیں کا ' خال ہے زینت میں اے صنم
تیرا ' جو مثل نقش قدم پائمال ہے

عشق کے راہ کے مسافر کوں
هر قدم ' تجھ گلی میں منزل ہے

اے " ولی " طرز عشق آساں نہیں
آزمایا ہوں ' میں کہ مشکل ہے

نشۂ بخش عاشقاں ' وہ ساقی گلفام ہے
حسن کی انکھیاں کا تصور ' بے خودی کا جام ہے
مت قدم رکھ اس طرف ' اے زاہد خلوت نشیں
غمزۂ خوں خوار اس کا ' دشمن اسلام ہے

تلہا ' نہ بلد عشق میں تیرے ہوا ' " ولی "
یہ زلف حلقہ دار ' دو عالم کا دام ہے

سراپا ناز ہے تو ' اے پری رو
مجھے ' تیرے سراپا کی قسم ہے

وفا کر ' حسن پر مغرور مت ہو
وفاداری ' بہار بے خزاں ہے
' ولی " اس کی جفا سوں خوف مت کر
جفا کرنا ' وفا کا امتحاں ہے

تری یہ زلف ' ہے شام غریباں
جبیں تیری ' مجھے صبح وطن ہے

" ولی " ایراں و توراں میں ہے ، مشہور
اگرچہ ، شاعر ملک دکن ہے

عارفاں پر ، ہمیشہ روشن ہے
کہ فن عاشقی ، عجب فن ہے
دشمن دیں کا ، دین دشمن ہے
راہ زن کا چراغ روشن ہے
عشق میں ، شمع رو کے جلتا ہوں
حال میرا ، سبھوں پہ روشن ہے

کہو زاہد سے ، " جاے اس گلی میں "
اگر ، مشتاق فردوس پرست ہے

گلی میں ، اس ستمگر کے ، نہ جا اے دل نہ جا اے دل
کہ جاں بازی میں آفت ہے ، قیامت ہے ، خرابی ہے

مفلسی ، سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار ، کھوتی ہے
کیونکہ ملنا صنم کا ، ترک کروں
دلبری ، اختیار کھوتی ہے

اے "ولی" اب ، اس پری رو کی
مہرے دل کا غبار ، کھوتی ہے

شب فرقت میں ، مونس و ہمدم
بے قراری و آہ و زاری ہے
اے عزیزاں ! مجھے نہیں برداشت
سنگ دل کا فراق بھاری ہے
اب "ولی" نے ، یہ تیری صورت حسن
صفحۂ دل اوپر ، اتاری ہے

عشق ، بے تاب جاں گدازی ہے
حسن ، مشتاق دل نوازی ہے
پاک بازوں سوں ، یہ ہوا معلوم
عشق ، مضمون پاک بازی ہے

تجھ سوں ، ہرگز جدا نہ ہوں اے جان
جب تلک ، مجھ میں زندگانی ہے

اے "ولی" ! رہنے کوں ، دنیا میں مقام عاشق
کوچۂ یار ہے ، یا گوشۂ تنہائی ہے

مضطرب عشق سوں ہوں ، مجھکو ملامت نہ کرو
تجھ دل نے کہا ، رشتۂ سیماب مجھے

کیونکر بیٹھوں گوشۂ آرام میں ؟
کھینچتا ہے ، وہ کمان ابرو مجھے

وفا دشمن نہ ہو ، اے آشنا رو
وفا پر ہے ، مدار آشنائی
مروت کے ہمیشہ ہاتھ میں ہے
عنان اختیار آشنائی

بات رہ جائیگی قاصد ، وقت رہنے کا نہیں
دل تڑپتا ہے ، شتابی لا خبر دلدار کی
اے "ولی" ! اس بے وفا کی مہربانی پر ، نہ بھول
دل کا دشمن ہے ، مگر کرتا ہے باتیں پیار کی

مخمس

عشق کو ، اے دل ! سدا تجرید کی
عاشقی ہے ، ابتدا توحید کی
ترک مت کر ، گفتگو تفرید کی
جس کوں ، لذت ہے سجن کے دید کی
اس کوں ، خوش وقتی ہے صبح عید کی

چھب ھے تیری ' نشۂ صہباے حسن
رنگ ھے تیرا ' چمن آراے حسن
قد ھے تیرا ' رحمت والاے حسن
زلف نہیں' تجھ مکھ پہ ' اے دریاے حسن
موج ھے ' یا چشمۂ خورشید کی

—

ترجیع بند

مرے دل میں ' وہ سرو گلفام ھے
کہ جس شوخ کا ' خوش ادا نام ھے
رخ روشن و زلف مشکین یار
مجھے یاد ' ھر صبح و ھر شام ھے
خلاصی نہیں ' تا دم زندگی
نگہہ شوخ کی ' جیو کا دام ھے
برہ میں ' طلب مت کرو صبر کوں
برہ ' دشمن صبر و آرام ھے
جو دل ' یار کی مجھکو دیوے خبر
نہیں دل ' وہ جمشید کا جام ھے
سدا تجھ پری رو کی ' خدمت ملیں
یہی درد مندان کا ' پیغام ھے
شتابی خبر لے ' کہ بے تاب ھوں
ترے عشق میں ' بے نوا خواب ھوں

—

مدح شاہ وجیہ‌الدین

فکر تیری ہے ' آب دانش و ہوش
ہر گل عقل ' تجھ سے ہے سیراب
اے تو ' مجموعۂ فراست تمام
دل ترا ' مطلب ہزار کتاب

ہر سحر ' آفتاب کرتا ہے
تیرے روضے اپر ' زر افشانی
زندگی بخش ہے ' خیال ترا
یاد تیری ہے ' آب حیوانی

کیا کہوں ؟ گنبد شریف کو میں
اوج میں ہے ' فلک سوں وہ ہمسر
تجھ سے خورشید کوں ' وہ پایا ہے
کیوں نہ ہووے ' فلک سے بالا تر

قصائد

حمد - نعت - منقبت

شکر اس کا ' محیط اعظم ہے
وہ ہے ' سلطان بارگاہ ازل

جس کي همت کی هے ترازو میں
دو جہاں ' مثل دانۂ خردل
اس کی مجلس میں ' آ ہوا هے کھڑا
صف آخر میں ' جو هو اول
هیں یہ چاروں ' ستون شرع متیں
دیں کا هے ' ان سوں مستقیم محل
مشرق و مغرب و جنوب و شمال
سب کوں ' ان چار ذات سوں ' هے بل
چار عنصر هیں ' دیں کے تن کے
چار دیوار باغ شرع نچھل
هیں یہ ' اسلام کے صحیفے پر
چار اطراف صورت جدول
هر دو ' سلطان کشور کونین
هر دو ' مقبول شاہ روز ازل

عشق تیرا هے ' موج طوفاں جوش
جس سوں ' هے عقل کي بنا میں ' خلل
دل ' جو تجھ زلف بیچ ' بند ہوا
کون کھولے ' یہ عقدۂ لا حل

عاشقوں پر ' چلا هے یہ غمزہ
هاتھ میں ' لے کے تیغ تیز اجل

نعت

محمد وہ کہ جس کے حق میں '' لولاک ''
کہا ہے ' خالق اسلاک و افلاک
عجب گلزار ہے وہ مظہر کل
کہ ہے ' جس باغ کا ' خورشید اک گل
اسی کا ذکر ہے ' ایمان مومن
اسی کی یاد ' اطمینان مومن

ہوا جب چار باغ دین ' روشن
شریعت کا کھلا ' اس بیچ گلشن
سلواری ' گرد اس کے چار دیوار
حقیقت میں سمجھ ' ہیں یار وہ چار

تعریف شہر سورت

عجب شہراں میں ہے ' پرنور یک شہر
بلا شک وہ ہے جگ میں مقصد دھر
اہے مشہور اس کا نام سورت
کہ جاوے ' جس کے دیکھے سے کدورت
چمک کے آنکھ کا گویا ہے یہ نور
اچھو اس نور سوں ' ہر چشم بد دور
عجب قلعہ ہے وہاں ' اک با قرینہ
انگوٹھی میں دنیا کے ' جیوں نگینہ

فراق گجرات

گجرات کے فراق سوں ہے خار خار دل
بیتاب ہے سینے منیں ' آتش بہار دل
مرے سینے میں آکے چمن دیکھہ عشق کا
ہے جوش خوں سوں ' تن میں مرے لالہ‌زار دل

قطعات

(۱)

حسن دلبر کا ' خواب میں دیکھا
نور حق تھا ' حجاب میں دیکھا
خود فنا ہو کے ' ذات میں ملنا
یہ تماشا ' حباب میں دیکھا

---

(۲)

کلیم مفتی کی نہیں کلنجی ہے ' بسم‌اللہ بن
قفل دل کھلتا نہیں ہیگا ' ہمارا آہ بن
رود نیل آنکھوں سوں جاری ہے ' ندی نالے ہیں آب
باولی ہو گئی ہے یوسف کی زلیخا ' چاہ بن

رباعیات

(۱)

اے جیو دو عالم کا ، ترے مکھ پہ فدا
محتاج تری دات سوں ، سب شاہ گدا
مجھ عاجز و بیکس پہ ، نظر رحم سوں کر
اے مظہر ہو ناظر و منظور خدا

منقبت حضرت علی

ہر ایک رنگ میں جو دیکھا ہوں ، چرخ کے نیرنگ
ہوا ہوں ، غنچۂ صنعت جگ کے باغ میں ، دل تنگ
جہاں کے گل بدناں ، جلوہ گر ہوے ہیں جہاں
اڑاے ان کی تجلی سوں ، عاشقاں کا رنگ
ہو دستگیر مجھے ، یا علی ولی اللہ
کہ اس فلک نے کیا ہے ، کمال مجھ کوں تنگ
وہ شہر حق ، کہ جہاں میں وہ ناصر دیں ہے
کہ جس صدا سوں ہیں ، وحشی جنگلاں کے مست و تنگ

مدح بیت الحرام

خلقت حق میں ، تو عرفاں کی نظر کھول کے دیکھ
ذرے ذرے کی بھتر ، یہاں ہے جدا اک عالم

اس کے مشتاق هیں ' سب اهل زمیں ' اهل سما
شوق کا جس کے لیا چرخ پہ خورشید علم

مدح حضرت میراں محي الدین

ترے فراق نے ' عشاق کوں کیا امداد
غذائے خون جگر ' هور لباس عریاني
تجھے اشتیاق کي آتش سوں ' سرفرازي دل
کہ سر پہ آگ کا شعلہ هے ' تاج سلطاني
ترے چمن کی صبا ' گر کرے چراغ کوں گل
گل چراغ دسے ' جیوں گل گلستاني

مدح شاہ وجیہ الدین و روضہ

چراغ یہاں کے ' ستارہ سمن هیں ' گرداں نت
دئے هیں چرخ کوں ' تعلیم سجدہ گرداني
تري طبع کوں ' دیا حق نے ' فہم پر مقصد
تري زباں کوں ' سزاوار هے سخن داني
هے ملک دیں میں ' تری ذات کو شہنشاهی
هے نقد علم ترا ' سکۂ مسلماني

مثنویاں

الهی ! دل اوپر دے ' عشق کا داغ
یقیں کے نین کوں سٹ " کحل ما زاغ "

چمن میں شوق کے ' دل ' کھول ' جوں گل
اسی گل کے اُپر ' کر دل کوں بلبل
یہ دل معمور کر ' جوں شیشۂ دل
پریشانی نہ دے ' مانند سنبل
شتابی سوں ' دے اے ساقی مہرباں
برہ کا جام ' جوں سورج درخشاں
کہ خورشید نعوت کے ' مدح میں
کھول ' دل کھلا ' سینے کے دم میں
میخانۂ جگ کا ' جسے سر مست کیا
اس ہاتھ سوں ' عالم نے قدح نوش کیا
اس سید عالم کوں ' جو دیکھا یکبار
یکبار ہی عالم کوں ' فراموش کیا

رکھتا ہوں میں دل میں ' درد جانکاہ ہنوز
اے شوخ ! نہیں ہوا تو آگاہ ہنوز
تجھ غم سوں ہیں ' گرچہ چشم پر آب ' ولے
سینے میں بجا ہے ' آتش آہ ہنوز

کونین ' حسن حسین کا ' ممنوں ہے
اس یاد سوں ' عشرت کا سن محزوں ہے
ایسوں کے اُپر روا رکھیا داغ ' فلک
جس داغ سوں ' لالۂ جگر پر خوں ہے

فردیات

باج حق کے ' نہیں کوئی واقف ' ہماری آہ کا
مد ہے ' یہ دیوان بیتابی کی بسم‌الله کا

مذہب عشق میں ' تری صورت
دیکھنا ہم کوں ' فرض عین ہوا

میں نہ جانا تھا ' کہ تو نادان ہے
دل دیا تھا تجھکو ' دانا بوجھکر

اس نہانے کی ' سن خبر آیا
چشمۂ آفتاب گرم ' نکل

کیا غم ہے اس کوں ' گرمیٔ خورشید حشر سوں
بخت سیاہ ' جس کے سر اوپر ہے سائباں

گر تمنا ہے کہ ہوں روشن دلوں میں سر بلند
مجھہ سوں پروانے اُپر ہو ' موم دل اے شمع رو

کیا کام اس کوں ' پھر نے شراب طہور سوں
پی ' جس نے تجھ لباں سے ' شراب دو آتشہ

از بسکہ شکستہ دل ہوں ' غم سوں
لکھتا ہوں ' شکستہ خط سوں نامہ

ای کعبہ رو ' کھڑا تو ہوا ' جیوں ادا کے ساتھ
بولے اکابراں ہے ' دسہ " قدقامت الصلواۃ "

لام نستعلیق کا ہے ' اس بت خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں ' اگر بندے نہ ہوں ' اسلام کے

اس ملاحت کے نون کی ' لذت
جس کا دل ہو کباب ' سو جانے

جب کہ تو ' نین میں سماتا ہے
جیو میرا ' انکھاں میں آتا ہے

مکھ ترا ' بحر حسن و زلفاں موج
گردش چشم ' عین طوفاں ہے

تجھ طرف اکثر ہیں ' آہن دل رجوع
دل ترا ' کیا ؟ سنگ مقناطیس ہے

شعلہ خو ' جب سوں ' نظر آتا نہیں
تب سوں ' انگاروں پہ لوٹتے ہے " ولی "

ضمیمہ

میں ہوں ' تیرے فراق سوں ' اندھا
مردمک ہو کے ' مجھ نین میں آ

سوز ' یار گداز ہے ' ہمدم
مونس جاں ہے ' آہ اور نالا

سبزۂ خط لے ' رخ یار کو ' بخشا ہے جلا
دیکھو یہ رنگ عجب ' آئینہ پرواز ہوا

بیداد ہے بیداد کہ وہ یار نہ آیا
فریاد ہے ' فریاد ' کہ غم خوار ' نہ آیا
میں جیو کوں ' رکھیا عشق کے بازار میں لیکن
ہیہات ' مرے جیو کا خریدار ' نہ آیا

آج کی رین ' مجکوں خواب نہ تھا
دونوں انکھیاں میں ' غیر آب نہ تھا
آہ پر آہ کھینچتا تھا میں
آج کی رات ' کچھہ حساب نہ تھا

وہ ہلال ابرو ' درنگ ماہ نو
ان دنوں میں ' کم نما ہے ' الغیاث
پائمال قاتل نگین ادا
خون عاشق ' برملا ہے ' الغیاث

سجن کے غم سوں ' نکلتا ہے نالۂ بیتاب
ہر ایک رگ ستی ' تار رباب کے مانند

دیکھی ہے ترے داغ کے جلوے کوں ' جگر پر
کیا خوب ' اُتھا نقش ' عقیق جگری پر

غنیمت جان ' اس تن کے قفس میں ' مرغ دم اپنا
نہ پہونچیگا ' بغیر از شوق تا حب‌الوطن ہرگز

اُس مکاں سے ' تو بھاگ اے دانا
جس مکاں میں ' ہوے ہیں ناداں جمع

زلف و رخ ہے ترا ' جو لیل و نہار
مجکوں '' واللیل والضحیٰ '' کی قسم
یک قدم ' چھوڑ کر نہ جاؤنگا
مجکوں ہے ' تیری خاک پا کی قسم

کم نگاہی سوں ' دیکھتے ہیں '' ولی ''
کام اپنا ' تمام کرتے ہیں

سوز سوں ' عشق یار کے ' یاراں !
جیوں شمع ' سر سوں گل کے ' جل جاناں

عاشق کوں ہے ' بے تابی و بے طاقتی دل
بن عشق ' جو عالم میں ' فراغت سوں جیا ہے

رہے کیوں ہوش عاشق کا سلامت ' دیکھ یو آفت
تبسم ہے ' نگہہ ہے ' زلف ہے ' چہرا گلابی ہے
ولی '' اُس بیوفا کے قول پر ' کیا اعتبار آوے
کہ ظالم ہے ' دورنگی ہے ' ستمگر ہے ' شرابی ہے

سدا ہم کو ' خیال رنگ روے یار جانی ہے
ہمارے شیشۂ دل میں ' شراب ارغوانی ہے
تواضع کی توقع ' نونہالاں سوں ' نہ رکھ اے دل
کہ بے باکی و شوخی لازم وقت جوانی ہے

چار در چار

ملے ساتھ ' جب آکے یاری لگے
یو دیکھ ' درد ' اُ عمر ساری لگے
جسے عشق کا ' تیر کاری لگے
اُسے جیونا ' پھر کے بھاری لگے

مستزاد

دل چھوڑ کے ' یار کیونکہ جاوے   کھڑا ہے عیاں
زخمی ہے ' شکار کیونکہ جاوے   بسمل ہے یہاں

جس گرد اُپر ' پانوں رکھیں تیرے رسول   اے بار خدایا
اُس گرد کو ' میں کحل کروں ' دیدۂ جاں کا   صدق ہو من سوں

قطعہ

آہ سوں ، مجھ جگر میں چھید ہوے
فاش ، مجھ عاشقی کے بھید ہوے
اس سیہ دل سوں ، جا کہو یاراں
" " دیدے مرے ، سفید ہوئے

فردیات

اے پتنگ ! جل کہ تجھ موے پیچھے
شمع ، ثابت قدم ہے جلنے میں

عشق کرنا ، تو ایک سیں ، کرنا
عشق دو ٹھور ، بے حیائی ہے

مکھ ترا ، جیوں روز روشن ، زلف تیری ، رات ہے
کیا عجب یہ بات ہے ، یک ٹھار ، دن اور رات ہے

آج دلبر نے ، مجھ پیام کیا
شکر اللہ ، فلک نے کام کیا

شاخ گل ہے ، یا نہال ناز ہے
سرو قد ہے ، یا سراپا ناز ہے

دید آہ شوق مشتاقاں نہیں
خط نہیں یو حسن کا اعجاز ہے

سوز عاشق میں ، نار کا ہے جیو
تانت بجنے میں ، راگ بوجھا ہوں

تو ہے حق سٹی ، ہم زباں ، ہم کلام
ترا ، قاب قوسین ، ادنیٰ مقام

جب نقش ، اس صنم کا ، نقاش کھینچتا ہے
بازو کے ، کھینچنے میں ، دو ہات کھینچتا ہے

دیکھ کر ، پانوں کی ترے ، مہندی
مجھکو ، تلوؤں سے آگ لاگی ہے

یار کو دیکھ ، میں ہوا قرباں
اس تجارت میں ، مجھ کو وارا ہے

تا چاند کہوں ' بات تری خوش شکلی کی
اے شوخ ' ترے غمزے نے ' جو کی سو بولی کی

ترجیع بند

مدح شاہ وجیہ‌الدین

اے تو مقبول سرور عالم
ہے تو فہرست دفتر عالم
جلوہ گر تو ہے آفتاب یقیں
تجھ سوں ' روشن ہے پیکر عالم
علم ظاہر و علم باطن سوں
تو ہے عالم میں رہبر عالم
دل عرفاں سرشت ہے تیرا
مطہر خلق و مظہر عالم
ہے زمیں پر یہ آستان شریف
مرجع خلق و منظر عالم
نام تیرا ہے ' ورد صاحب درد
ذات تیری ہے مفخر عالم
دستگیری ہے تیری ظاہر نت
جب کہ برپا ہو محشر عالم
ہے ترے نام پر سدا قرباں
روز و شب سال و مہ سر عالم

سجوہ اُپر جیوں سورج ہویدا ہے
مطلب جملہ ، مظہر عالم
اس زمانہ میں حق نے تجکوں کیا
مہتر خلق و بہتر عالم
اے امام جمع اہل یقیں
قبلۂ راستاں وجیہ الدین

— —

(نعت)

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے
یاد کے گلزار پر ، دو نین کر ، ابر بہار
پیچ کھاسیلے میں ، دل کوں سنبلستانی کرے
مرتبہ خلت پناہی کا وہ پاوے گا جو کئی
مثل اسماعیل اول جی کوں قربانی کرے
جوش دے یک بارگی دریا کوں دل کے لہو ستی
گوہر انجھواں کوں ، دو دو رنگ مرجانی کرے
جو اپس تن کوں جلا دے عشق میں ہر صبح و شام
وہچہ کامل ہر سو جیسے ماہ تابانی کرے
سرخرو ہو آبرو دو جگ میں پاوے اے عزیز
دل کوں لوہو کر ، اول لوہو سوں جو پانی کرے
عشق کی آتش میں جا لے تن کوں جو کئی رات دن
وہ قیامت لگ سو جیوں سورج درخشانی کرے

وهچه پاوے مطلب " راضیۃً مرضیۃً "
محض للّٰہ جگ میں جو اعمال پنہانی کرے
عشق سوں فارغ جو کئی وہ نحس اکبر ہے مدام
ساتواں کھیلا پـر اگـر ایوان کیوانی کرے
اپنے مطلب کے سوں ' لیلیٰ کا وہی دیکھے جمال
عشق میں دل کو جو مجنوں بیابانی کرے
حشر میں شیریں ہو وہ حق سوں سنے شیریں بچن
شوق میں دل کوں جو فرهاد کہستانی کرے
یا محمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کوں لازم ہے جی توں تجھ پہ قربانی کرے
وہ اچھے آزاد جو بازار میں تجھ حسن کے
بندگی میں آپ کو ' جیوں ماہ کنعانی کرے

دل جام حقیقت ستی ' جو مست ہوا
ہر مست مجازی سوں ' زبردست ہوا
یہ باغ دسا ' نظر میں تنکے سوں کم
اور عرش عظیم پگ تلے ' پست ہوا

ہے حسن کی اقلیم میں ' توں شاہ ہنوز
خوبی کا تری ' مشتری ہے ماہ ہنوز
اس وقت میں تو ہے ' مالک مصر بہار
یوسف کوں ہے ' تجھ عزیز کی چاہ ہنوز

حمد و نعت و منقبت

لے زباں سوں پر تو ، اول اول
نام پاک خدائے عزوجل

لائق حمد نہیں ہے ، اُس بن اُور
اس اُپر متفق ہیں ، اہل ملل

یاد اُسکی ہے ، سب اُپر لازم
شکر اُس کا ہے ، مدعاے سعل

آسمان اُور زمین کے ، سب ساکن
یاد کرتے ہیں اُس کون ہر پل پل

شکر اس کا ، محیط اعظم ہے
وہ ہے ، سلطان بارگاہ ازل

اسکے بھیتر ، اگر شناور ہوں
روز محشر تلک ، سکون نہ نکل

بعد حمد خدائے پھمتا
یاد کر نعت سید مرسل

جسکی ہمت کی ہے ترازو میں
دو جہان مثل دانۂ خر دل

اُسکی مجلس میں ، ا ھوا ہے کھڑا
صف آخر میں دھر اول

گر ہو وہ آفتاب ، گرم عتاب
آسمان جائیں ، مثل موم پگھل

دیکھ ، اسکے جلال و عظمت کون
بادشاہاں کا دنگ ہے ، دنگل

گو کرے بحر پر ' غضب کی نظر
مونڈیاں چاٹیں جل کے بھیتر جل
اُس فصاحت کے ' دیے مجھکوں
نطق سحبان عبارت مہمل
کاملاں سوں ' سدا ہوں یہہ نکتہ
عشق اس کا ہے ہادی اکمل
دیکھ اُس زلف و مکھ کوں ' بے جا ہے
سحر اور درمیں عنبر و صندل
بعد اُس آفتاب انور کے
چار ہیں اہل علم و اہل عمل
صاحب صدق و عدل و علم و حیا
ایک سوں ایک اکمل و افضل
اُن کوں اصحاب میں سباقت ہے
دین کوں جو کیے قبول اول
ہیں دجے وہ کہ دیں کے بل سوں
کفر کے دست و پا کوں کیئے شل
ہیں تجے وہ کہ حق کے لوہو سوں
رنگ پکڑا کلام عز و جل
ختم خلفا کی کیا کہوں میں بات
جس کے رتبہ کا عرش پر ہے محل

مدح شاہ وجیہ الدین

ہوا ہے خلق اُپر ، پھر کے ، فضل سبحانی
کیا ہے ابر نے رحمت سوں گوھر افشانی

یہ آب صاف میں گوھر کوں دیکھ ، خصلت سوں
صدف کے پیٹ میں گل کر ہوا ہے جیوں پانی

تمام پات '' یسبح محمدہ '' کے متکلم
زبان حال سوں کرتے ہیں ذکر سبحانی

قطار قطرۂ شبنم سوں ، آج سبزۂ خضر
لے سبحہ ھاتھ میں ، کرتا ہے ادعیہ خوانی

ہر اک طرف جو ہوئی ، بسکہ ریزش باراں
کیا ہے آج تفرج نے جوش طوفانی

اِس آب روح فزا کے کمال لطف کوں دیکھ
چھپا ہے پردۂ ظلمت میں آب حیوانی

ہوئی ہے غنچہ نمن ، جگ کوں بسکہ جمعیت
عجب ہے ، اب رہے سنبل ملیں پریشانی

ہر ایک قطرۂ شبنم ہے صورت گوھر
ہر ایک پات پہ برسا جو ابر نیسانی

ادب سوں ، حضرت حق کے ، زبسکہ سمتی ہے
ہر اک کلی ہے ، سو جیوں کودک دبستانی

چمن میں اُس کے کرم نے دیا ہے ، حکمت سوں
ہر ایک پھول کی پکھڑی کوں ، رنگ مرجانی

یہ لطف دیکھ ہوا ہے ، دماغ بسکہ بحال
بدل ہوئی ہے اِتنی ، حافظے سوں نسیانی

تمام ملک ہوا حق کے فضل سوں آباد
رہا نہیں یہ جگت میں نشان ویرانی
چراغ گرد میں روضے کے جو ہوئے روشن
ہر اک چراغ ہے جیوں آفتاب نورانی
ہوا ہے بسکہ طراوت سوں ' یہ مدن سرسبز
ہر اک سفال پہ دستا ہے رنگ ریحانی
ہے ملک دین میں ' تری ذات کوں شہنشاهی
ہے نقد علم ترا سکۂ مسلمانی
ہر اک کوں اس سوں ' خبر نیں ہے جگ کے صفحے پر
تجھے جو کشف ہوئے رازہائے پنہانی
دیا ہے حق نے تجھے جامع الکمالاتی
عطا کیا ہے تری ذات کوں ہمہ دانی
عجب نہیں جو دوے ' عقل کوں وہ آج سبق
جو اِس جناب میں آ کر کیا سبق‌خوانی

— —

مخمسات

تجھ قد نے مجھ نگاہ کوں عالی نظر کیا
تجھ مُکھ نے شوق بدر کوں دل سوں بدر کیا
لب نے ترے ' عقیق کوں ' خون‌جگر کیا
مستی نے تجھ نین کی مجھے بے خبر کیا
دل کوں مرے ' بھوؤں نے تری دھوں بھنور کیا
تجھ چشم نیزہ باز کی جرأت کوں دل میں رکھ
توری بھواں کی تیغ کی دہشت کوں دل میں رکھ

پلکاں کے خنجراں کی صلابت کوں دل میں رکھ
تھری نگھ کے تیر کی ہیبت کوں دل میں رکھ

سورج نے تن اپس کا سراسر سپر کیا
ہے تجھکوں مرتبے ملیں ، کیواں سوں بر تری
تجھ مکھ کوں دیکھ دنگ ہیں: کیا حور ، کیا پری
زاہد میں کسی نے نہ دیکھی ، یہ دلبری
تجھ مہر کا ہوا ہے ، دل و جان سوں ، مشتری
جب سوں ، ترے جمال پہ مہ نے نظر کیا

داؤد

مرزا داؤد ، داؤد ، اورنگ‌آبادی ، کلام ، زبان کے ساتھ سوز و گداز میں ممتاز ہے - سن وفات ۱۱۶۸ھ -

---

عزیزاں ! خواب میں دیکھا ہوں ، آج اُس سرو قامت کو
ہوا معلوم : وقت آیا ہے موسی سے فراری کا

ہوا ہے ابر گریاں ، دیکھ میری چشم گریاں کو
پڑا ہے شور دریا میں ، مرے اسر اشک جاری کا

قانون شفا ، نطق میں ہے یار کے موجود
اے دل ، نہ ہو محتاج طبیباں کی دوا کا

سند پہ بس ہے تجھے مصرعۂ ولی " داؤد "
کہ تجھکو شور قیامت سے بے نیاز کیا

مسند ہے اہل دل کو بساط زمیں کا فرش
ہے بے ریا کو ' بوے ریا ' نقش بوریا

لالہ‌رو کو دیکھ کر ' لالہ کا پھول
داغ دل اپنے ہاتھ دکھلانے لگا
ہجر میں ابرو کے ' ابر چشم رخ
اشک کا برسات ' برسانے لگا

دیکھ تجھ جام چشم کا اک دور
دل کے تئیں نشۂ شراب ہوا

گل بدن ہنستا ہے ' مجھ رونے کو دیکھ
خندۂ گل گریۂ شبنم ہوا

رنگ کاغذ ہوا ہے فاختئی
جب لکھوں سروقد کے تئیں مکتوب

کرو مت وعدۂ کل جان من عشاق بیکل ہیں
جو آپہی کل سوں بیکل ہے اسے کیا کام ہے کل سوں

ہے شراب و کباب و فصل بہار   کوئي اس وقت میں پیا لا دو

کیوں نگہہ کا قدم رہے برجا
مکھ پہ تیرے صنم صفائي سوں

پھر جام چشم مست جسے تم دکھاؤ گے
تا حشر اُس کو ہوش نہ اُس کے بھاؤ گے

محمد مصطفیٰ کي یاد سیتي   مرا دل قلعۂ احمد نگر ہے

اس صنم کے خمدار ابرو نے   ناتواں مجھکو جوں ہلال کیا

مجھہ بزم میں ' رقیب عبث سرکشي نہ کر
شعلہ پڑا ہے ' شمع پہ مجھہ سوز ناکہ کا

کہتے ہیں عاشقاں مرا احوال دیکھہ کر
شاید تو دل دیا ہے کسي بیوفا کے ہات

دست رنگیں کو ' دیکھہ کر تیرے
رنگ مہندی چھپا ہے پاتوں پات

کیونکر سحر چاندني کرنے کو نکلے وہ صنم
دیکھنے مہ کا تماشا ' آفتاب آتا نہیں

تیمم اُس کا اوروں کے وضو کرنے سے افضل ہے
کیا ہے جن نے حاصل خاکساري کي عبادت کو

مرا احوال ' چشم یار سے پوچھ
حقیقت درد کی ' بیمار سے پوچھ
مرے حال پریشاں کي حقیقت
صنم کي زلف کے ہر تار سے پوچھ

اے راھداں ! اُٹھاؤ جبیں کو رمھن سے
جو سر نوشت ہے اسے کان لگ ستاؤ کے

عزلت

سید عبدالولي ' سعداللہ سورتي کے بیٹے تھے - ۱۱۰۲ھ میں پیدا ہوے - فارسي اور بھاشا میں بھي شعر کہتے تھے - موسیقي اور مصوري میں مہارت رکھتے تھے - ۱۱۶۴ھ میں دھلي آئے اور خان آرزو کو کلام دکھاتے رہے کچھ عرصے بعد اورنگ‌آباد جاکر سکونت اختیار کرلي - ۱۱۸۹ھ حیدرآباد میں وفات پائي اور وھیں میر مومن کے دائرے میں دفن ھیں -

---

سیہ روزی میں ، میری قدر کو احباب کیا جانیں
اندھیری رات میں ، کس کو کوئی پہچانتا ہوگا

اس کو پہونچی خبر ، کہ مرتا ہوں
کسی دشمن نے سنا ہوگا

بجز رفاقت تنہائی ، آسرا نہ رہا
سوائے بے کسی ، اب اور آشنا نہ رہا

جلایا مصحف دل تو نے ، کیوں برق تغافل سے
جو سچ بولوں ، تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

" مزلت " گمان یوں تھا ، کہ جل کر ہوا ہے راکھہ
پھر دود آہ دل میں ، سوا دیدہ تر کیا

کدھر بھٹکا پھرتا ہے ، اے گریۂ غم
کہ آنکھوں سے ، تیرا خریدار ہوں میں

چین ابروے سجن میں ، مرا دل الجھا ہے
دل کھلے گر کبھی ، دونوں میں گرہ پڑ جائے

سدھارے گل کہاں ' سوکے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر ' جلا کر آشیاں اپنے

دیکھ مت رنگیں چمن کو ' دل مرا غمناک ہے
گل کے ہاتھوں ' خون بلبل کا ' گریباں چاک ہے

اے بلبل ! اتنی رو کے دعا ' ہر سحر تو مانگ
حق تیری آہ سرد ' چمن کی ضیا کرے [۱]

سراج

سراج الدین نام - قوم سید ' اورنگ آباد وطن تھا ' اورنگ آباد کے مشہور بزرگوں میں تھے ' فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے -

بعض اہل رائے کے نزدیک اس دور میں ولی کے بعد تمام خصوصیات میں سراج کا دوسرا درجہ ہے -

فارسی اور اُردو کے دو دیوان ہیں - حمزہ دکنی کے شاگرد تھے [۲] سنہ ۱۱۲۷ھ [۳] میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۷۷ھ میں [۴] وفات پائی -

---

[۱] چمنستان شعرا -

[۲] تذکرہ میر حسن - نکات الشعرا - میر تقی -

[۳] تاریخ زبان اُردو -

[۴] چمنستان شعرا -

نوٹ — " بوستان خیال " نام کی ایک مثنوی بھی ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے - اپنے دیوان کا ایک انتخاب بھی تیار کیا تھا - مرتب -

تجھ بنا ' اے " سراج " ' بعد ولی
کوئی صاحب سخن ' نہیں دیکھا

شکر للہ ' ان دنوں تمہرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم ' فی‌الجملہ کم ہونے لگا

ڈورے نہیں ہیں سرخ ' تری چشم مست میں
شاید چڑھا ہے خون ' کسی بے گناہ کا

آہ سوزاں سے مرے ' دامن صحرا میں ' سراج "
قبر مجنوں پہ ' چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

یار کا دیدار پا کر ' اے " سراج "
شکر رحمٰن کو کے ' تہ واصل ہوا

آیا پیا ' شراب کا پیالہ ' پیا ہوا
دل کی دیو کے جوت کا کاجل ' دیا ہوا

تجھے تبا پر ہے ' نرگسی بوٹا
گویا نرگس کا پھول ' ابھی ٹوٹا

لعل تیری بھوؤں کے ' سچے ہیں
کیوں نہ یاقوت کو ' کہوں جھوٹا

عشق میں شوخ سنگدل کے ' " سراج "
شیشۂ ناموس و ننگ کا ' پھوٹا

سب حکمت ڈھونڈھ پھرا ' پیو کو نہ پایا ہرگز
دل کے گوشے میں ' مکاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

تو احد ہے ' نام تیرا احمد بے میم ہے
زیب پایا ' تجھ صفت سوں ' ہر ورق قرآن کا

نہیں ہے تاب مجھے ' سامنے ترے جاناں
کہاں " سراج " کہاں آفتاب عالمتاب

شہید خنجر الفت ' ہوا ہوں
سلامت ہے ' سلامت ہے ' سلامت

نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا
طوق قمری ہے ' طرۂ شمشاد

اے " سراج " آرزوے قند نہیں
شعر تیرا ہے ' جوں نبات لذیذ

ہائے رہ گئی ، دل میں دامنگیریوں کی آرزو
سبزۂ تربت مرا ہے پلتیۂ گھرا حضور

کیا شراب محبت نے ، دل کے خم میں جوش
عجب نہیں ، جو قیامت تلک رہوں بیہوش

جام مے اَلست ہے ، بیخود ہوں اے " سراج "
دیو شراب ، شیشۂ پرمل سے ، کیا غرض

عجب وہ سرو گلزار ادا خوش قد ہوا واقع
پر بلبل ، نشان گل کہ دست رد ہوا واقع

شعلہ خو ، جب سے نظر آتا نہیں   لوٹتا ہے تب سے ، انگاروں پہ دل

مجھہ نگین داغ دل پر ، نقش ہے حرف وفا
عشق کی اُمت میں ہوں ، مہر نبوت کی قسم

کافر ہوا ہوں ، رشتۂ زنار کی قسم
تجھہ زلف حلقہ دار کے ، ہرتار کی قسم
ہرگز مریض ہجر کا ، بن وصل نہیں علاج
اس کے ادا کی نرگس بیمار کی قسم
درشن دکھا کے ، آتش غم کو مری بجھا
میں تشنۂ لب ہوں ، درشن دیدار کی قسم

نہ پوچھو ' خود بخود کرتا ہوں تعریف اس کے قامت کی
کہ یہ مضمون ' مجھکو عالم بالا سے آتے ہیں

کہا چلیے ' دام نگاہ مہربانی سے ترے
صید ہو جاویں یہاں ' صیاد کی صیادیاں

یاد رکھہ اے دل خوں گشتہ ' کہ جوں تکمۂ لعل
جامہ زیبوں کے گریباں کا گلو گیر نہ ہو

مدت سے گم ہوا ' دل بیگانہ اے " سراج "
شاید کہ جا لگا ہے ' کسی آشنا کے ہاتھہ

ہم پر فدا ہیں ' سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے ' کیا صاف گال والے

خبر تیر عشق میں ' نہ جنوں رہا ' نہ پری رہی
نہ تو تو رہا ' نہ تو میں رہا ' جو رہی سو بے خبری رہی
شہ بے خودی نے عطا کیا ' مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی ' نہ جنوں کی پردہ دری رہی
چلی سمت غیب سے اک ہوا ' کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم ' جسے دل کہیں سو ہری رہی
نظر تغافل یار کا ' گلہ کس زباں سے بیاں کروں
کہ شراب حسرت و آرزو ' خم دل میں تھی ' سو بھری رہی

کیا خاک آتش عشق نے ' دل بے نوائے " سراج " کو
نہ خطر رہا ' نہ حذر رہا ' مگر ایک بے خبري رہی

(رباعي)

تجھ غم میں ہے ' رنگ زردیاناں میرا
دشوار ہے ہر کسي کو پاناں میرا
درکار نہیں ' کہ تجھ گلي میں جاؤں
انار تھرا بھي ہے ' جاناں میرا

صارم

(میر / عبدالحئي نام ' صمصام الملک خطاب ' اورنگ آباد وطن تھا ' سلطنت دکن میں سب سے پہلے " قلمدان بردار تھے " [۱] ۔

کلام میں ذومعنئین اور ایہام کا عنصر غالب ہے ۔ سنہ ۱۱۷۲ھ میں وفات پائي :—

اک آن میں ' حیف کھل گئیں یہ آنکھیں
پھر موند پلک ' میں وہ نہ دیکھا رویا

ار بسکہ تم ' اب عشق کي سیکھیں گھاتیں
سب بھول گئے شادي کي باتیں

---

[۱] دکن میں اردو ۔

مجھے ، گر جاں کلی کا حکم ، وہ شہریں دھاں کرتا
کہا اس کا ، خدا کی سوں ، ارے یارو بجاں کرتا

نہیں کھلتا ، بہار و باغ سوں دل
یہی عقدہ ، مجھے مشکل رہا ہے

شیدا

نواز علی ، شیدا – کلام میں روانی کافی ہے ہندی کا غلبہ کم ہے - ان کی دو مثنویاں مشہور ہیں - ۱ - اعجاز احمد - حضرت رسول‌الله صلعم کی سوانحعمری ، دو جلدوں میں ۲ - روضۃالاطہار - واقعات کربلا کو نظم کیا ہے -

لکھے راویاں ہیں ، روایت صحیح
میں کرتا بیاں ہوں ، سنو تم صریح
کہ بیٹھے تھے ، اک دن امام‌الرسل
مہاجر و انصار حاضر تھے ، کل
یہودی اک ، آتا ہے با احتشام
تھا نام اُس کا ، عبدالله ابن سلام
شرافت میں اُس سا نہ تھا دوسرا
اتہا عقل میں ، علم میں ، وہ رسا [۱]

اول ، حمد خدا سے ہو سرافراز
کروں میں ، روضۃالاطہار " آغاز

---

[۱] اعجاز احمد -

دو عالم ' نام پر ہے اُس کے شہدا
شہادت کا کیا عالم وہ پیدا

دیکھے عباس ' سرور کے علمدار
موئے بھائی پڑے ہیں سارے بیمار
کسی کا سر نہیں ہے تن کے اوپر
کسی کے ہات کٹ گئے ہیں ' سراسر
کسی کا تن ہے ' سب زخموں سیتی چور
پڑا نزدیک کوئی ہے ' کوئی دور [۱]

واقف [۲]

نورالعین ' واقف - اِن کے کلام میں صفائی ہے ' آورد اور تصنع کا عنصر غالب ہے ' فومعلیمیں الفاظ اکثر استعمال کرتے ہیں -

آتی ہے بوئے خوں مجھے اس لالہ‌زار سوں
اے باغباں! یہ کس کے شہیدوں کا تربت ہے

تجھے دماغ نہیں کچھ مجھے رلانے کا
کسو سے پوچھ کہ کیا حال ہے فلانے کا
بہار دیکھی ہے اس باغ کی ' خزاں دیکھی
کوئی بھی ایک قراری نہیں زمانے کا

---

[۱] روضۃالاطہار -

[۲] واقف ' شفیق اورنگ‌آبادی کے ہم عصر تھے -

قفس میں دھوم مچا خوب سی تو مرغ اسیر
کہ تجھکو فکر نہیں کچھ بھی ' آب دانے کا

عزیز

عزیزاللہ ' عزیز ' اورنگ‌آبادی ' اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے -

مجھ ناتواں میں کہا سکت ' جو بولوں ولیاں کی صفت
" عاجز " عزیزاللہ پر دکھن کے سب پیراں ' مدد

ڈرتا نہیں ہوں بانک و کٹاری کے زخم سے
بانکی نگاہ دیکھ تری ڈر گیا ہوں میں

عاشق

میر یحیی نام (' عاشق علی خاں ' خطاب) برھان‌پور '
دکن کے رھنے والے تھے - کلام میں ایہام کا عنصر غالب ہے -

طبیب عشق سیں پوچھا زلیخا نے علاج اپنا
کہا تجھ پر بھلا ہے سورۂ یوسف کا دم کرنا

جام کو لب سے آشنا مت کر نام اس کا ' پیا ' کٹورا ہے

جیت ہے میری عشق بازی میں
جب سے دلبر نے مجھ کو ھر دیا

جس وقت جان نکلي ' مجھ پاس کوئي نہ آیا
شمشیر تیري ' اک دم ' بیٹھي تھی میرے سر پہ

صاف دل آرسي سا کوئی نہیں
لیک ' منھ دیکھي آشنائي ہے

نکلے ہیں اُجلے بال ' چلاتے ہیں سب سے ہم
بڈھوں کے بیچ ' ہم ہي جوانِ چلندہ ہیں

مہدي

محمد مرتضی ' مہدي ' میر دولت دی فوج میں ملازم تھے ' مرھٹوں کے مقابلے میں سنہ ۱۱۷۴ ھ میں مارے گئے - سید عبدالولی '' صاحب '' کے شاگرد تھے کلام میں آورد زیادہ ہے -

---

نان ' داغ دل ہمارا : آب ' انکھوں کا سرشک
عشق کي دولت سے ہم نے خوب اچھا کھایا پیا
چار دن بچھڑا سجن ہم پر قیامت آ گئی
''مہدی'' حیرت ہے کہ تنہا خضر اب تک کیوں جیا

ھر کسي مکھ کا تاب دیدہ ہوا
یوں جو آئینہ آبدیدہ ہوا

گرمجوشي سکي خورشيد لقا گهر سے نکل
هو گئي صبح ' دم سرد کے بهرتے بهرتے

کرے هے آج چشم عندلیباں روشن ' آئینه
هوا هے اُس کے عکس رو سے رنگ گلشن ' آئینه

مرزا

محمد بیگ یا محمدی بیگ ' مرزا ' دکن کے باشندے تھے مضمون آفرینی کی کوشش کرتے هیں ' طرز ادا میں بیساختگي زبان میں شیریني هے - ان کے شاگردوں میں مهر علي '' مهر '' مشهور هیں -

---

مرا غم نامه ' اے قاصد ! سجن کے هاتھ دو ' دیجو
یهي مضمون هے اس کا که انجواں سوں لکھو ' دیجو

'' مرزا '' کو آج حاجت قاصد نهیں رهي
پیغام بهیجتا هے نگاه رسا کے هاتھ

مهر

مهر علي ' مهر ' اورنگ‌آباد کے رهنے والے اور مرزا کے شاگرد تھے - نظم میں رندانه مضامین اکثر لاتے هیں -

---

پڑھ نماز یا ریا ' ہر وقت رندوں کو نہ چھیڑ
تجھ کو اے زاہد پرائی کیا پڑی ? اپنی نبیڑ
میکدے کی راہ ' اے زاہد ! نہ جا ' جائے خضاب
رند داڑھی کو تری دیویں گے لاٹی سے لتھیڑ

خاک ہونا کیمیائے عشق کی تدبیر ہے
پارۂ بیتابی دل ماونا ' اکسیر ہے

آبرو پائی شجاعت نے عطائے خضر سے
موج ' نقش بوریائے جوہر شمشیر ہے

ترش روئی سے ہوئی زاہد کو کھانسی آجوش
اِس بہانے اُس کو میں دارو پلاؤں تو سہی

دیکھ چشم " مہر " سے ' اے باغباں ! وقت خزاں
عندلیباں پھر کہاں اور یہ بہاراں پھر کہاں ؟

ضیا

مرزا عطا ' ضیا ' نے سنہ ۱۱۸۳ھ میں وفات پائی - ان کے کلام میں میخوشی کے مضمون اکثر آئے ہیں -

---

دیکھتے ہی اس کے خط کی شان ' دل مرجھا گیا
اس دھویں کو دیکھ آنکھوں میں اندھارا چھا گیا

تجھے کیا یاد ہے ساقی وو عالم بے حجابی کا
اِدھر تو جام کا ہنسنا اُدھر رونا گلابی کا

اُدھر تو تم بھووں کو تان کر تیوری چڑھاتے ہو
اِدھر میں دل میں ' بسم‌اللہ بسم‌اللہ ' کہتا ہوں

کرتا ہے حشر برپا ' ساقی سے جلد نِکلنا !
گردن اُٹھا اُٹھا کر شیشے کا دیکھ رہنا

اے ساقی ' غم کے ماروں کی تسلی کر شتابی سے
گلابی کا بھرا آتا ہے منہ وو بے حجابی سے

رنگ اُڑ گیا سمن کا ' نرگس بھی تک رہی ہے
گلشن میں گلبدن بن کھچڑی سی پک رہی ہے

تری آنکھوں کو ' ساقی ! دیکھ شاید جان جاتی ہے
گلابی بیٹھی ' منہہ میں جام کے ' پانی چواتی ہے

فضلی

شاہ فضل اللہ ' فضلی ' اورنگ آبادی بڑے پائے کے درویش تھے اور غازی الدین خاں فیروز جنگ اُن کے بڑے معتقد تھے ۔ شاہ صاحب فارسی میں بھی شعر کہتے تھے ۔ کلام میں ایہام کی کثرت ہے ۔

رکھا ہوں نیم جاں جاناں تصدق تجھ پہ کرنے کو
کھا سب تن کو میں دربن ' اجھوں درشن نہ پائے ہوں

دو بھواں دیکھ کر کہا میں یوں
دو گھڑی رات دن میں آئی کیوں

تجھ ملاحت کے لون کی لذت
جس کا دل ہے کباب ' سو جانے

مصور گر تری تصویر کو چاہے کہ اب کھینچے
لگا دے ایک سارا چاند چہرے کے بنانے کو

زلف کے سلسلے کے طالب کو
پیچ دے کر مرید کرتے ہیں

مظفرالدولہ

امرائے دکن کے درباروں میں تھے ۔ کلام میں گداز اور صفائی دونوں موجود ہیں ۔

- -

گریبان چاک مطعون جہاں بدنامِ عالم ہو
پڑے خاک اس طرح کے ' ہائے ! رسوائی کے حیلے میں

صنم نے میرے سخن کو سن سن ' کہا کہ اتنا نہ مضطرب ہو
جو ابتدا کو نہیں سمجھتا ' تو کیا خبر ہوگی انتہا کی

شفیق

لچھمی نرائن ' کائستھ ' شفیق ' اور ' صاحب ' تخلص کرتے تھے ۔ اُردو اور فارسی کے نامور شاعر تھے ۔

کلام میں کثرت مشق کا ثبوت زیادہ اور اثر کم ہے ۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے شاگرد تھے ۔

ان کی تصنیف تذکرہ چمنستان شعرا مشہور ہے ۔

۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے [۱] ۔

بہار آئی جنوں نے سر اٹھایا ہے ' خدا حافظ
نسیم صبح نے دل کو ستایا ہے ' خدا حافظ

---

[۱] مخزن نکات ۔ چمنستان شعرا ۔ نکات الشعرا ۔ تذکرہ میر حسن ۔

تیرے بس میں ہیں ' ہمیں تو چھوڑ دے یا قید رکھ
آپ سے اب دام میں تدبیر کرنا کیا ضرور

بس تمہاری رہنے دو یہ بات ' میاں ! مت بولو
ہم تمہیں دیکھ لیا اور تمہارا اخلاص

جیوں جلا آگ کا آتش سٹی ہوتا ہے بھلا
عشق کے درد کو تحقیق دوا ہیگا عشق

شیخ جو آتے ہیں کس دھج سے پکڑ سبحی کو ہاتھ
ماریے گردن میں ایسا ' جائے جو ملا ڈھلک

کیا کریں عرض حال تیرے پاس
ہم کو دل نہیں ' تجھے دماغ نہیں
کوئی بیچارا تجھے کہاں ڈھونڈے ؟
ایک جا کا ترے سراغ نہیں

لائے جواب وہ کوئی ' صاحب ' کے شعر کا
جس کو کہ ذہن ثاقب و فکر دقیق ہو

ہمیں کنج چمن میں چھوڑ کر ' صیاد جاتا ہے
خدا جانے کہ ہم سے خوش ہے ' یا ناشاد جاتا ہے

دور اول

حصہ دوم

(شعرائے دهلي)

آرزو

سراج‌الدین علي خاں ' آرزو ' مشائخ اکبرآباد کے خاندان سے هیں ' علوم و فنون کي تحصیل کي اور ۲۳ سال کي عمر میں سند فراغت حاصل کي ' اور فرخ سیر بادشاہ کي طرف سے گوالیار میں ملازم هوئے - شاعري کا چسکا بچپن سے تها -

اُردو میں ان کے کلام کي تعداد بہت کم هے لیکن جو کچهہ هے تغزل کے اعتبار سے بہتر هے ' زبان سلیس ' بندش چست ' درد اور جذبات سے لبریز ' اس لئے اثر انداز هے اُردو میں فارسي محاورات کا غلبہ هے -

ان کي تصانیف حسب ذیل هیں :—

۱ - تنبیہ الغافلین - اس میں حزیں کے کلام پر اعتراضات کئے هیں -

۲ - موهبت عظمیٰ - فن معاني میں -

۳ - عطیہ کبریٰ - فن بیان میں -

۴ - سراج اللغت - لغت اور فرهنگ میں -

۵ - چراغ هدایت - فن اصطلاحات میں -

٦ - سکندر نامه اور قصائد عرفي کي شرح -

۷ - فارسي شعرا کا تذکره -

۱۱۶۹ھ میں وفات پائي [۱] -

رات پروانے کي الفت سے‌کي روتے روتے
شمع نے جان دیا صبح کے هوتے هوتے

داغ چهوٹتا نہیں ' یه کس کا لهو هے قاتل
هاتهه بهي دکهه گئے دامن ترا دهوتے دهوتے

کس پريرو سے هوئي شب کو سوی چشم دو چار
که میں دیوانه اٹها خواب سے سوتے سوتے

عبث دل بیکسي اپني په توں هر وقت روتا هے
نه کر غم اے دوانے عشق میں ایساهي هوتا هے

میخانے آج جاکر شیشے تمام توڑے
زاهد نے آج اپنے دل کے پهپهولے پهوڑے

---

[۱] گلشن هند - مرزا لطف ' رفاه عام اسٹیم پریس ' لاهور

تجھہ زلف میں لٹک نہ رهے دل ' تو کیا کرے
بیکار هے اٹک نہ رهے دل ' تو کیا کرے

جان تجھہ پر کچھہ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسا هے

هر صبح اوتا هے تیری برابری کو
کیا دن لگے هیں دیکھو خورشید خاوری کو
دل مارنے کا نسخہ پہونچا هے عاشقوں تک
کیا کوئی جانتا هے اس کیمیا گری کو
اس تند خو صنم سے ملنے لگا هوں جب سے
هر کوئی مانتا هے میری دلاوری کو
اپنی فسوں گری سے اب هم تو هار بیٹھے
باد صبا یہ کہنا اس دل ربا پری کو
اب خواب میں هم اسکی صورت کو هیں ترستے
اے " آرزو " هوا کیا ' بختوں کی یاوری کو

فلک نے رنج تیر آہ سے میرے زبس کھینچا
لبوں تک دل سے ' شب نالے کو میں نے نیم رس کھینچا
رها جوش بہار اس فصل گر یوں هی ' تو بلبل نے
چمن میں دست گلچیں سے عجب رنج اس برس کھینچا
کہا یوں صاحب محمل نے سن کر شور مجنوں کا
تکلف کیا جو نالہ بے اثر مثل جرس کھینچا

نزاکت رشتۂ الفت کی دیکھو سانس دشمن کی
خبردار "آرزو" تک گرم گر تار نفس کھینچا

کھول کر بند قبا کو ' ملک دل غارت کیا
کیا حصار قلب ' دلبر نے کھلے بندوں کیا

دکھائی چشم مست اپنی جو اس رند شرابی نے
نہ دم مارا کلورے نے نہ ہچکی لی گلابی نے

بہار

ٹیک چند ' بہار ' کلام میں صفائی اور سوز و گداز بھی ہے
سراج‌الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے ۔

بہار عجم مشہور لغت ان کی تصنیف ہے - غزل میں درد اور بلاغت دونوں ہیں ' زبان بھی اس وقت کے اعتبار سے سلیس ہے -

کرے وہ سلطنت یہ عشق میں شیریں کے سر دیوے
تکلف بر طرف ! خسرو کو کیا فرہاد سے نسبت

کہتے ہیں عندلیب گرفتار ' مجھکو دیکھ
امید چھوٹنے کی نہیں اس بہار میں

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلیٰ کا قیس
یہ عجب مظہر ہے ' جسنے مبتلا ہیں مرد و زن

وہی اک رسیماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

ناز بے جا و لطف بے موقع
دلبروں کی ادا ہے کیا کیا کچھ

کریں ہیں یہ ستمگر قتل بے تقصیر کیا کیجے
جو انکے ہاتھ یوں مرنا ہوا تقدیر ' کیا کیجے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے ہوئی' اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خراباتی کہا تجھکو مناجاتی [۱]

آصف

یحیی خاں نام ' آصف اور امیر تخلص [ ] عزیز جنگ ' آصف‌الدولہ ' آصف جاہ القاب اور خطاب ہیں ' شجاع‌الدولہ نواب اودھ کے بیٹے تھے -

---

[۱] چمنستان شعرا -

نوٹ - چونکہ سراج الدین علی خاں کے ہم عصر اور شاگرد تھے ' اس وجہ سے کم و بیش سنہ ۱۱۹۹ ہجری ان کا زمانہ قیاس کیا جا سکتا ہے - مرتب -

[۲] تذکرہ مصحفی میں ان کی غزلیں امیر کی تخلص سے درج ہیں - مرتب -

سنہ ۱۱۸۷ھ میں شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں فیض‌آباد کے وزیر ہوے ' کچھہ دنوں کے بعد لکھنؤ آئے ' ان کا نام " سخاوت " کے لئے " حاتم " کی طرح مشہور ہے -

غزل میں بہتر رنگ ہے ' آمد کی نرالی شان ہے ' معلوم ہوتا ہے جو کچھہ کہتے ہیں دل کی زبان سے کہتے ہیں سلاست ' روانی سب کچھہ موجود ہے ' الفاظ کے پھیر میں معانی کو گم نہیں کرتے ' سنہ ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی -

---

جلسِ طاعت سے کچھہ اپے تو نہیں پاس " امیر "
مگر احمد کا ہوں ' اور ہے احمد میرا

یا تو ہے مجھے تیرا کہ میں کچھہ نہیں کہتا
یا حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھہ نہیں کہتا
کہتا ہے بہت کچھہ وہ مجھے چپکے ہی چپکے
ظاہر میں یہ کہتا ہے ' کہ میں کچھہ نہیں کہتا

کیا تو نے دیا تھا مجھہ کو ساقی
شیشے میں تو واہ کچھہ نہ نکلا

مرا ہے تیرے لئے تیرا عاشق غم کش
ذرا تو فاتحہ پڑھ چل کے ' تا کجا وسواس

جب مرنے لگی بلبل شوریدہ قفس میں
"آصف" یہی کہتی تھی یہ تکرار دم نزع
صیاد تجھے بخش دیا خون میں اپنا
ٹک جا کے دکھا وہ مجھے گلزار دم نزع

کل ہنس کے بولا نالۂ بلبل پہ یوں پتنگ
کم ظرف دیکھ ہم بھی تو آخر ہیں زار شمع
رو رو کے یہ جواب دیا عندلیب نے
انصاف دل میں کیجیو اے دل فگار شمع
ہے شمع کے بھی دل میں محبت پتنگ کی
گر ہے پتنگ سوختہ جاں ، بیقرار شمع
پروانے تو جلا کے ہوئی شمع بھی تمام
جینا بغیر یار کے ہے ننگ و عار شمع
گل مہرباں سدا ہے کبھی عندلیب پر
تو شکر کر کہ مہر و وفا ہے شعار شمع
میں آہ و نالہ ، نہ کھینچوں تو کیا کروں
جلتی ہیں غم سے میری رگیں ، مثل تار شمع

جہاں تیغ اس کی علم دیکھتے ہیں
وہاں اپنا سر ہم ، قلم دیکھتے ہیں
جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں
خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں

بتوں کی گلی میں شب و روز " آصف "
تماشہ خدائی کا ' ہم دیکھتے ہیں

دل ہمارا خانۂ اللہ ' گو مشہور تھا
سو بتوں کے عشق میں اب وہ بھی بت خانہ ہوا

بڑی شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
چکے گا روبرو کس کے ' معاملہ دل کا

" آصف " نہ چھٹے عشق بتاں دل سے ہمارے
سو بار اگر پھر بھی بلاویں اسے گھر کر

شوخیِ چشم کی شہرت کو تری ' سن سن کر
شرم سے باغ میں نرگس نے چھپائیں آنکھیں

مرے دل کو ' زلفوں میں زنجیر کیجو
یہ دیوانہ ایسا ہے ' تدبیر کیجو
مرے دل نے زلفوں میں مسکن کیا ہے
یہ مہماں ہے اے شانہ توقیر کیجو

جس جگہہ آنسو گرے ہے ' آبلہ پڑ جائے ہے
آب سے آتش ہوئی کیوں کر بہم ' کیا جانئے

پوچھتے کیا ہو شب ہجر کی حالت ' یارو !
میں ہوں ' اور رات ہے اور دست تنہائی ہے

--

" آصف " نہ چھوڑ دست سخاوت کو زینہار
لایا ہے کچھ نہ ساتھ ' نہ جاے گا تو لئے

یاں تلک داغ معصیت ' دل نے کھائے ہیں کہ بس
سر سے پا تک ایک گویا صورت طاؤس ہے

ہزاروں مردے جیتے دیکھے تیرے بات کرنے سے
لب معجز بیاں میں تیرے ' شاید آب حیواں ہے

تیرے گھر جانے سے یار اپنا تو ' گھر جاتا ہے
اے مری جان کے دشمن ' تو کدھر جاتا ہے

سرخ چشم ایسی ' کہیں ہوتی ہے بیداری سے
لہو اترا ہے تری آنکھوں میں ' مے خواری سے

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے
ہم نے جانا کہ ' دو جہاں سے گئے
تیرے کوچہ میں نقش پا کی طرح
ایسے بیٹھے کہ پھر نہ واں سے گئے

شمع کي طرح رفته رفته هم
سلهو اک دن که جسم و جاں سے گئے

تو اپنے شیوۂ جور و جفا سے کیوں گزرے
تری بلا سے ' مرا دم رهے رهے نه رهے

ملنے نه ملنے کا تو وه مختار آپ هے
پر همکو چاهئے که تگ‌ودو لگي رهے [۱]

آبرو

نجم الدین نام ' شاه مبارک لقب تها ' لقب هي سے مشهور تهے ' حضرت محمد غوث گوالیاری کي اولاد میں تهے ' خان آرزو سے قرابت تهي ' ابتدائے جوانی میں دهلي آئے اور آخر تک رهے - دیوان مختصر هے لیکن بهتر هے ' طبع نهیں هوا هے ' اس کا ایک نسخه " الاصلاح " لائبریري دسنه ' ضلع پٹنه میں موجود هے -

کلام میں گو سلاست نهیں لیکن درد هے - محاورات میں لطف موجود هے ' زبان کا خیال زیاده کرتے هیں - خان آرزو سے تلمذ تها [۲] -

---

[۱] خمخانهٔ جاوید - گلشن هند - سخن شعرا - تذکرهٔ مصحفي -
[۲] گل رعنا -

کم مت گلو ' یہ بخت سہاگوں کا رنگ زرد
سونا وہی کہ ' جو ہو کسوٹی کسا ہوا

انداز سے زیادہ بہت ناز ' خوش نہیں
جو خال اپنی حد سے بڑھا سو مسا ہوا
قامت کا سب جگت میں دوبالا ہوا ہے نام
قد اس قدر بلند تمہارا ' رسا ہوا

جدائی کے زمانے کی سجن کیا زیادتی کہئے
کہ اس ظالم کی ہم پر جو گھڑی بیتی ' سو جگ بیتا

چہرے نے سرخ تیرے ' سارے جگت کو موہا
ای لعل ' تیرے سر پر یہ آج خوب سوہا

رخسار کے گل اوپر شبنم ہے یہ پسینا
کیا سرخ ڈانک پر ہے الماس کا نگینا
خجلت سے تجھ نگہہ کی ' مے ہوگئی ہے پانی
کہنا بجا ہوا ہے ' شیشے کو آبگینا

مشتاق عذر خواہی نہیں " آبرو " تو کیا ہے
یوں روٹھ روٹھ چلنا ' چل چل کے پھر ٹھٹھکنا

یہ سبزہ اور یہ آب رواں اور ابر یہ گھرا
دوانا میں نہیں ' گھر میں رہوں کیوں چھوڑ کر صحرا

بوسہ لباں سے دینے کہا ' کہہ کے پھر گیا
پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا

نین سے نین جب ملائے گیا
دل کے اندر مرے سمائے گیا
تیرے جانے کی سن خبر ' عاشق
یہی کہتا موا ' کہ ہائے گیا
سہو کر بولتا تھا مجھ سیتی
بوجھ کر بات کو چبائے گیا

مل گئیں آپس میں نظریں ایک عالم ہوگیا
جو کہ ہونا تھا سو کچھ آنکھوں میں باہم ہوگیا
ساتھ میں تیرے جو کچھ تھا سو پیارے عیش تھا
جب سے تو بچھڑا ہی تب سے عیش سب غم ہوگیا

نور دیدہ کم ہوا یعقوب کا گریہ کا جانا ہے ' خالی قافلہ

حق میں عاشق کے مگر لطف ' ستم تھا یا رب
دل لیا جب سے ' مجھے تب سے آزار دیا

زمانے بھی لگے مردی پکڑنے   کسب سیکھا چماری نے نری کا

دل تو دیکھو آدم بے باک کا   عشق سے بھرتا ہے، پتلا خاک کا

ہجر کی راہ میں جو کوئی گرا، سو پھر نہ اٹھا
قدم پھرا نہیں یاں آ کے دستگیروں کا
وہ اور شکل ہے، کرتی ہے دل کو جو تسخیر
عبث ہے شہرہ ترا نقش یہ لکھیروں کا

دل کے غنچوں کو کھول جب دیکھا
شوق پایا تمام تجھ سے لب کا
"آبرو" اب زندگی سے لذیذ
جان لیتا ہے جام تجھ لب کا

یہ رسم ظالمی کی، دستور ہے کہاں کا
دل چھین کر ہمارا، دشمن ہوا ہے جاں کا

بیتابی دل آج میں دلبر سے کہوں گا
ذرے کی تپش مہر منور سے کہوں گا

ہر گدا گوشۂ قناعت میں   شاہ ہے، ملک بے نیازی کا

لٹی ھے جب سے بات چمن کی زباں اُپر
رنگیں ھوا ھے تب سے بیاں عندلیب کا

جسے ھو زیب ذاتی اسکے تئیں ھے عیب آرائش
کرے ھے بد نما البتہ حسن ماہ کو گہنا

ھم سے چرا کے اور سے آنکھیں ملا گیا
ظالم کسی کو مار، کسی کو جلا گیا

بیٹھی وہ زرد پوش، جھلک سے بنا بسنت
چاروں طرف سے آج اٹھی جگمگا بسنت

دل نے پکڑی ھے یار کی صورت
گل ھوا ھے بہار کی صورت
کوئی گل‌رو نہیں تمہاری شکل
ھم نے دیکھی ھزار کی صورت
وصل کے پیچھے ھجر جائے بھول
جوں نشے میں خمار کی صورت
کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ھوگی
اس دل بے قرار کی صورت

هر طرف عشق کي لگي هے هاٹ
دل همارا هوا هے بارہ بساٹ

زندگی هے سراب کي سي طرح
باو بلندي حباب کي سي طرح
کون چاهے کا گهر بسے تجهکو
مجهه سے خانه خراب کي سي طرح
تجهه اوپر خون هے گناهوں کا
چوهه رها هے شراب کی سي طرح

بلبل سے دل کو لهول لهو گل سے تک هنسے
پهر " ابرو " کا وقت کہاں ? جب گئی بہار

آج پهر هم سے کر دیا هے اُداس   ان وقتوں کا جاے ستیا ناس
فیر صحبت میں اب لگ جانے   چهور کر اپني " آبرو " کا پاس

نهیں تارے بهرے ، هیں شک کے نقط
اس قدر نسخهٔ فلک هے مغلط

سانورے کے روبرو هے دل همارا داغ داغ
دیکهه لو کالے کے آگے آج جلتا هے چراغ

کب زلیخا شہر میں رسوا ہوئی ' مجنوں سے کم
مرد ہو یا زن کوئی ' ہے سب کے تئیں بدنام عشق

افسردگی یاس سے ہم کو ہوا وصال
پکڑا ہے آہ سرد کے کانٹے سے ہم نے لال

جلتا ہے اب ملک تری زلفوں کی رشک سے
ہر چند ہو گیا ہے چمن کا چراغ گل

جلتے تھے تجھکو دیکھ کے مہر ' انجمن میں ہم
پہونچے تھے رات شمع کے ہو کر بدن میں ہم

دلدار کی گلی میں مکرر گئے ہیں ہم
ہو آئے ہیں ابھی تو پھر آکر گئے ہیں ہم

جبکہ ایسا ہو گندمی معشوق
نت گنہگار کیوں نہ ہو آدم

غم کیا ؟ اگر شراب کی مجلس میں ہم نہیں
ہم کو تمہارے عشق کا یہ کیف ' کم نہیں

عشق ہے اختیار کا دشمن ہوش و صبر و قرار کا دشمن

لٹایا چاہتے ہیں خاک و خوں میں مجھ بچارے کوں
سمجھتا ہوں تری شمشیر ابرو کے اشارے کوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں میں
یاں لگ ' ہنر میں عشق نے کامل ہوا ہوں میں

اپنا جمال ' " ابرو " کر ٹک دکھاؤ آج
مدت سے آرزو ہے درس کی بچارے کوں

جب چمن میں جا کے پیارے تم نے زلفیں کھولیاں
لے گئی باد صبا ' خوشبو کی بھر بھر جھولیاں

درد مندی سے اگر دل کے ' ہوئے ہو محروم
رحم فرما کے مرے حال کو اظہار کرو

جلوۂ حسن کو دلدار کے ' گلزار کہو
شوق کو دل کے مرے ' مستئی سرشار کہو
یار سے جاکے مرے درد کا بستار کہو
غم کہو ' رنج کہو ' حسرت دیدار کہو

کس نے ، آ باغ میں حیران کیا نرگس کو
نہیں معلوم کہ یہ دیکھ رہی ہے کس کو

کرے گی شہر میں فتنہ ، سجن! خواہی نخواہی یہ
تری ، آخر کو سر کھولنے گی ظالم کج کلاہی یہ

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے یہ
لگ چکا ، اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا ، دل ہے یہ

شوق ہے اس کی اشکباری کا '' ابرو '' چشم تر ، قیامت ہے
و

تم ، نے بجھانے کو جب ہاتھ بیچ ، نے لی
مجنون ہوگئے سب ، یہ کس طرح کی ، لے ، لی

کرم فرما ! کہ تیرا نقش پا ، ہم خاکساروں کو
چمن میں سر بلندی کو ، گل دستار ہوتا ہے

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے
وے عاشقی کے ، ہائے زمانے کدھر گئے

تمھارا دل اگر ہم سے پھرا ہے تو بہتر ہے ، ہمارا بھی خدا ہے

تم اپنی بات کے راجا ہو پیارے
کہو ضد ہے تمہیں ہووے سوائے

زلف کی شان مکھ اوپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے

تمہاری ، لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے ، کس طرح کی ہے ، کدھر ہے ؟

دل کب آوارگی کو بھولا ہے   خاک اگر ہو گیا ، بگولا ہے

زندگانی تو ہر طرح کاٹی   مر کے پھر جیونا ، قیامت ہے

تبسم سے مجھے ، اس کو نظر سے
کیا ہے دو کو راضی کس ہنر سے [۱]

مضمون

شرف الدین نام ، اکبرآباد کے رہنے والے تھے - ابتدائے شباب میں دہلی گئے اور وہیں رہ گئے -

---

[۱] مخزن نکات - گلشن ہند - تذکرۂ مصحفی -

کلام میں سلاست اور درد ہے ' ساتھ ہي ساتھ زبان کي چاشني اور محاورہ بندی بهي هاتھ سے جانے نہیں دیتے ' خان آرزو کے معاصر اور شاگرد تھے [۱] -

افسوس مار جهٹ پٹ ' دل کو رکھے ھیں اٹکا
کن ساحروں سے سیکھا ' زلفوں نے تیری ' لٹکا

خوبوں کو جانتا تها ' گرمي کرینگے مجھ سے
دل سرد ھو گیا ہے ' جب سے پڑا ہے پالا

نہیں ہے زاھدوں کو مے ستي کام
لکھا ہے اُن کي پیشاني میں ' سر کا

ھم نے کیا کیا نہ ترے غم میں ' اے محبوب کیا
صبر ایوب کیا ' گریۂ یعقوب کیا

کوچے میں بیوفا کے مارے گئے ھیں عاشق
نکلا ہے ایک " مضمون " بھاگوں سے اپني جهگا

ترا مکھ ہے ' سر چشمۂ آفتاب
نہ لاوے تري حسن کي ماہ ' تاب

---

[۱] گل رعنا - گلشن بے خار -

وہ ہے سونا جو ہووے خوب کس میں
وہ ہے دلبر جو ہووے اپنے بس میں

کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج
ہوا منصور سے یہ نکتہ حل آج

جس طرح سے رہے ہے مال کے اوپر کالا
یوں رہے زلف ترے مکھ کے اوپر مار کے پیچ

تجھ بن زبس کہ پانی جاری کئے ہیں رو کر
چشموں سے میں اب اپنی بیٹھا ہوں ہاتھ دھو کر

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ
ہوا ہے خون میرا آکے لبریز

تیر مژگاں برستے ہیں مجھ پر
آب پیکاں کا اس طرف ہے تھال

کیا سمجھ بلبل نے باندھا ہے چمن میں آشیاں
ایک تو گل بے وفا اور تس پہ جور باغباں

وهي دلدار خوش آتا هے جو هووے باکا
خوب لگتي نهيں وہ تيغ جو خمدار نهيں

کيا هوا جو خط مرا پڑهتا نهيں
جانتا هے خوب وہ " مضمون " کو

چلا کشتي ميں آگے سے جو وہ محبوب جاتا هے
کبهي آنکهيں بهر آتي هيں کبهي جي ڈوب جاتا هے
يہ ميرا اشک قاصد کي طرح اک دم نهيں تهمتا
کسي بيتاب کا گويا لئے مکتوب جاتا هے

يار کے قول کو نهيں هے قرار اس ستي دل کو بيقراري هے

ميرا پيغام وصل ' اے قاصد کهيو سب سے اسے جدا کرکے

هم فقيروں ميں تمهارا اے مياں کيا کام هے
تم تو طالب زر کے هو اور ياں خدا کا نام هے

کرتا تها نقش روے زميں پر هميں مراد
خالي اگر نهيں تو نهيں بوريا تو هے

اُس دہاں بیچ سخن رکھتا ہوں
مجھ یہ اس بات کو اثبات کرو

جب سے چاہا ہے ترا چاہ ذقن
آب چشموں سے مری جاری ہے

نظر آتا نہیں وہ ماہ رو کہوں
گذرتا ہے مجھی یہ چاند خالی

مرے آئینۂ دل سے ترا نقش
جو دیکھا تو کسی صورت نہ جاوے

"مضمون" تو شکر کر کہ ترا نام سن رقیب
غصے سے بہت سا ہوگیا لیکن جلا تو ہے

نہ یہی فتنۂ قد و قامت ہے
ہنس کے پھر دیکھنا قیامت ہے [۱]

---

[۱] چمنستان شعرا - مخزن نکات - نکات الشعرا - تذکرۂ میر حسن - گلشن ہند - تذکرۂ مصحفی -

ناجي

محمد شاکر نام ' امیر خاں محمد شاهي کے داروغہ نعمت خانہ تھے - لیکن تیز اور ذهین تھے ' نوجوانی میں انتقال هو گیا -

ان کے کلام میں پلد و نصائح تغزل ' محاورہ بلندي کے پھولوں کے ساتھہ کسي قدر ابتذال کے کانٹے بھي هیں -

لفظي ایر پھیر میں اکثر معنی کي قربانی کر دیتے هیں [۱] -

روا کب هے مجھہ اوپر تیغ کو هر دم علم کرنا
مري تقصیر بھي کچھہ کي هے ثابت ' یا ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا هے کہ اے غافل
کٹی یہہ بھی گھڑي تجھہ عمر سے اور تو نہیں چھتا

نمکیں حسن دیکھہ کر پي کا رنگ گل کا مجھے لگا پھیکا

تري نگاہ کي کثرت سے اے کماں ابرو
همارے سینے میں تودا هوا هے تیروں کا

مجھکو باتوں میں لگا ' معلوم نہیں کیا کہہ گیا
لے چلا جب دل کے تئیں منہہ دیکھتا میں رہ گیا

---

۱) گل رعنا - نکات الشعرا - تذکرہ میر حسن -

قوب گئے کئي ملک ' جب کھولي لب دريا پہ زلف
حيف " ناجی " کو نہ پوچھا کس لہر میں بہ گیا

نہ پوچھو ' خود بخود ہے عارض خورشید کی خوبي
لیا ہے ذرہ ذرہ حسن مہرویاں سے کر چندا

قوس قزح سے ' چرچا کرتا ہے تجھ بھواں کا
شاید کہ سر پھرا ہے اب پھر کر آسماں کا

مت کر آزاد دام زلف سے دل   بیاں باندھا عالم ہے تیرا

سخن سن ' اس بت کافرادا کا   دیا ہوگا کوئي بندا خدا کا

رنگ تیرا گندمی دیکھ اور بدن مخمل سا صاف
ہوش کھو کر آدمی بھولے ہیں اپے خور و خواب

دیکھ ! ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ' ہر چند ہے گوہر میں آب

محبت سوں علي کی دیکھ " ناجي "
ہوا ہے دل مرا ' اب حیدرآباد

گو سلیماں کا تخت دیں، مت لے
کہ سب آخر کو جائے گا برباد

اٹھیا کے دربدر، مقدور جب تک ہو، نہ جا
سخت حاجت ہو تو جا، لاچارگی ہے جا ضرور

چاھئے اشراف کو، مفلس ہو، مجلس میں نہ جا
گو کہ وہ دبلا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر

انگوٹھی لعل کی کرتی قیامت آج اگر ہوتی
جلیوں کی آن پہونچی لو مرے وہ ایک چھلے پر

دیکھ دلبر تیری کمر کسی طرف
پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف
حشر میں پاک باز ہیں "ناجی"
بد عمل جائیں گے سقر کی طرف

کرلے کرم اے مہرباں، پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھ سکتا آسماں، پھر ہم کہاں اور تم

ملنے کو نوخطاں کے، واعظ برا کہے ہے
مجہول ہیں یہ باتیں، ہم خوب جانتے ہیں

نرگس کي تکوں میں ہرگز' آتا نہیں نظر میں
دیکھي ہیں میں نے آخر پیارے تمھاري آنکھیں

نہ سیر باغ ' نہ ملنا ' نہ میٹھي باتیں ہیں
یہ دن بہار کے اے جان مفت جاتے ہیں

عید ہوتي ' جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتاویں ' ہے کا روزہ دیکھ کر مہمان کو

ہے غرض ملنے میں نہ الفت کچھ اس بیدرد کو
پوچھتا ہے کان زر ' عاشق کے رنگ زرد کو

آج تو " ناجي '' سجن سے کر تو اپنا عرض حال
مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہوني ہو سو ہو

زلف کیوں کھولتے ہو دن کو صنم
مکھ دکھاتے ہو تو نہ رات کرو

غم نہیں گر دلبري سے دل کو لیجاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

وظیفہ راگنی کے سُر میں زاہد! کفر ہے پوچھ مت
نہیں تسبیح تیرے ہاتھ میں یہ راگ مالا ہے

اناالحق بولنے لگتا ہے اس کے زخم کا بسمل
کٹاری آبدار اس شوخ کی' منصور خانی ہے

اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی' میری زندگانی ہے [۱]

پیالہ پیوے ہے سو نہوروں سے   کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

ان بتوں کو ہم فقیروں سے کہو کیا کام ہے
یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے

تصور سے ترے رخ کے' گئی ہے نیند آنکھوں سے
مقابل جس کے ہو خورشید کیونکر اس کو خواب آوے

---

[۱] مصحفی نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ یہ شعر میر عبدالرسول نثار ہے' میں نے ان کی زبان سے سنا ہے — مرتب -

(مخمس)

قضا سے بچ گیا مرنا نہیں تو نہانا تھا
کہ میں نشان کے ہاتھی اُپر نشانا تھا
نہ پانی پھلے کو پایا وہاں نہ کھانا تھا
ملي تھي دال ' جو شکو تمام چھانا تھا
نہ ظرف و مطبخ و دوکان ' نہ غلۂ بقال [۱]

یکرنگ

مصطفی قلي خاں نام ' خان جہاں لودھی کے نواسے تھے ' سلسلۂ ملازمت شاهي میں وابستہ تھے -

اشعار میں آمد کا رنگ غالب ہے ' تغزل میں گداز موجود ہے ' اکثر اشعار میں سلاست اور صفائي کا آئینہ لگا دیتے ہیں - بعض نے آبرو اور بعض نے آرزو کا شاگرد لکھا ہے بعض مظہر کا شاگرد بتاتے ہیں -

لب شیریں سے تلخ کاموں کو بولنا تلخ ' کام ہے تیرا
ہاتھ اُٹھا جور اور جفا سے تو یہي گویا سلام ہے تیرا

ترک عاشق میں ' ننگ و نام کیا
کام اپنا جو تھا ' تمام کیا

---

[۱] گل رعنا - نکات الشعرا - گلشن ہند - تذکرۂ میر حسن - مخزن نکات -

اس قدر کیا ہے حمایت غیر کی
ہم بھي تو تم سے کبھي تھے آشنا

جب سکي ' گلرخوں سے یار ہوا
خلق کی میں نظر میں خوار ہوا
خلق '' یکرنگ '' کي ہوئي دشمن
جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

سنتا نہیں ہے بات ' کسي کي تو اے سجن
تجھ کو ترا غرور ' نہ جانوں کرے گا کیا

خون دل کا ' مجھے شراب ہوا   جگر سوختہ ' کباب ہوا

مجھے مت پوچھ پیارے اپنا دشمن
کوئي دشمن بھي ہوگا اپني جاں کا

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا   کروں اس ماہ کو پتلي کا تارا

مرا دشمن ہوا '' یکرنگ '' وہ شوخ
کہا کہوں عشق میں نے آشکارا

وصل اور هجر اِس صنم کا مجهہ پر یکساں ہو گیا
درد سہرا ہی مجهے آخر تو درماں ہو گیا
مجهہ کو اِس دل سے توقع تهي مدد کي ' وقت پر
تهر خوباں کا تو وہ " یکرنگ " پهکاں ہو گیا

کم نہیں کچهہ بوے گل سیتی فغان عندلیب
برگ گل سے هیگی نازک تر زبان عندلیب

میں روز و شب ' وصال سے تیرے ہیں کامیاب
کیونکر کہوں کہ تجهہ سے یہ بہتر ہے آفتاب

زبانِ شکوہ ہے ملہدي کا ہر پات
کہ خوباں نیں ' لگاے ہیں مجهے ہات
خیال چشم و ابرو کر کے تیرا
کوئي مسجد گیا ' کوئی خرابات
مسخر حسن کے ' شاہ و گدا ہیں
رکهے ہے خوبرو ' ظاہر کرامات

یاد آتی ہے تازگئي بہار
دیکهہ ' ہر خشک خار کی صورت
سچ کہے جو کوئی سو مارا جاے
راستی هیگی دار کي صورت

مجھ کو معلوم یوں ہوا کل سے
پھول جاتے ہیں اس سے دولتمند

کیوں ہوے ہو تم، کہو! دشمن ہمارے، اس قدر
دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے پیارے، اس قدر

ہوا نہ راحت جاں مہرباں حیف
مری محنت گئی سب رائگاں حیف

بظاہر مصلحت ہے یہ جو تم سے
رہا ہے روٹھ دن دو چار "یکرنگ"

محبت کا عجب، "یکرنگ" ہے رنگ
کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم

روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں
تا گلے تیرے لگوں اے یار میں

برنگ شمع، دائم تجھ لگن میں
سجن روتے پھرے ہم انجمن میں

کیوں کھینچتے ہو تیغ ، ظلم مجھ میں دم نہیں
پنہاں نگہ تمہاری یہ ، گھٹی سے کم نہیں
کہتے ہیں ہم پکار ، سنو کان دھر سجن
گر غیر سے ملو گے تو دیکھو گے ، ہم نہیں

تجھ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
"یکرنگ" نے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لیکر جو دبدھے میں پڑے ہو اس بہانت
کیا سجن ؛ اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں
چاہتا تھا کہ کہوں عشق کی باتیں "یکرنگ"
کیا کرے ہائے اسے طاقت گفتار نہیں

ہرگز تم اب کسو کے سخن آشنا نہیں
سب خوبیاں ہیں تم میں ولے اک وفا نہیں

پارسائی اور جوانی کیونکہ ہو
ایک جاگہ آگ پانی کیونکہ ہو

نگہاں چاہتی سرشار کے اپاس
تری آنکھوں سے دل کیونکر جدا ہو

اس پری پیکر کو مت انسان بوجھ
شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل! جان بوجھ

برگ حنا اُپر لکھو احوال دل مرا
شاید کبھی تو جا لگے اس دلربا کے ہاتھ

جو کوئی توڑتا ہے غنچۂ گل   دل کو میرے شکستہ کرتا ہے

نہ کہو یہ، کہ یار جاتا ہے   میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر خبر لیتی ہو تو لے صیاد   ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

لگے ہے جا کے کانوں میں بتوں کے
سخن ''یکرنگ'' کا گویا گہر ہے

کیا جانیے کہ وصل ترا کس کے ہو نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

اس کو مت بوجھو سجن اوروں کی طرح
"مصطفیٰ خاں'' عاشق "یکرنگ'' ہے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے

جس کے درد دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

رونق اسلام تیرے رو سے ہے
کفر کا رشتہ ترے گیسو سے ہے
بے قراروں کے تئیں آرام دل
اے مرے پیارے ترے پہلو سے ہے

جدائی سے تری ' اے صندلی رنگ
مجھے یہ زندگانی درد سر ہے

' یکرنگ " پاس کیا ہے سخن اور کچھ بساط
رکھتا ہے وہ نہیں جو کبھو تو نظر کرے

ہوا معلوم یہ غنچے سے ہم کو
جو کوئی زر دار ہے سو سنگدل ہے

(مرثیہ)

زخمی برنگ گل ہیں، شہیدانِ کربلا
گلزار کی طرح ہے، بیابانِ کربلا
اندھیر ہے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ
ہے سرنگوں، شمعِ شبستانِ کربلا [۱]

تلیم

محمد حسین نام، دہلی کے رہنے والے تھے میر تقی سے قرابت تھی - نظم اور نثر دونوں پر قدرت تھی -

شاعری کے علاوہ اپنی فضل و کمال علمی میں بھی مشہور تھے، اشعار اگرچہ صاف اور سلیس نہیں لیکن مضمون کے اعتبار سے بہت بلند ہیں -

بیدل کی طرز کے پیرو تھے -

فصوص الحکم کا ترجمہ اُردو میں کیا تھا عروض و قافیہ میں ایک رسالہ اُردو میں لکھا - ایک کتاب نثر رنگین میں بھی لکھی ہے -

ہر تار پیچ زلف کا، عالم کی جان ہے
گویا یہ اژدھا تھا کہ سب کو نگل گیا

---

[۱] معشوق نکات - نکات الشعرا - چمنستان شعرا - گلشن ہند -

نہ کچھ برا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا
ترے ہی سر پڑ اے فرہاد جو ہوا سو ہوا

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو ' یہ مجنوں
کہیں اُس طرف ویرانے کے ہو گا

نقاب اپنے رخ کا جو تو یار کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا

تجھے برق خار سے کام کیا جو حیا ہے ' حق کو تلف نہ کر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ‌دار کا

لگا جب غیرمیتی ' ہم طرق ہونے وہ مہماں کہیں
وہ اپنا ہاتھ دھوتا تھا میں اپنا ہاتھ ملتا تھا

کیا ہوا زلف سے گرہ کھولی   میرے سر کا تو یہ گرہ نہ گیا

وہی اک ہے جو اِن دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈھے ہے
پس اے زاہد اگر مسجد سے بتخانہ ہوا تو کیا

زبانِ موج سے ' یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے
'' کہ اپنا سر ہی کھاتا ہے جہاں میں جن نے سر کھینچا ''

اے شمع تیری باری ہے شب کو ' کہ شام تک
اپنے دنوں کو ' جتنا میں رونا تھا رو چکا

وہ نازک تن لطافت سے کسی کو نہیں نظر آتا
مقرر ایک جا تو ہے نہ کیا جانے کہاں ہوگا

گو روضۂ رضوان کو میں اک ان میں دیکھا
جب گل کی طرح جھانک گریبان میں دیکھا

لگتی ہے اب تو قلقل مینا سے دل کو ٹھیس
وے دن گئے '' کلیم '' کہ یہ شیشہ سنگ تھا

قبر میں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے '' کلیم ''
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسی کو سونپا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے '' کلیم ''
آپ کو جوں شمع ' میں ہر انجمن میں گم کیا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کج ' برہم ہوا

پاسِ ناموسِ محبت ہے مجھے اُن سے ' نظیم "
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ
اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ

زلف کو خواب میں دیکھا تھا جلوں سے شب کو
صبح سردار ہوا پائی گلے میں زنجیر

ہو گیا حشر ' گئی دوزخ و جنت کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

تو یار مل کے ہم سے ' جب ایک ہو گیا ہو
کس کو بعید مانیں کس کو کہیں قریں ہم
تم ہو تو ہم کہاں ہیں ' ہم ہیں تو تم کہاں ہو
یا تم ہی سب ہو ہم میں ' یا سب کے سب ہمیں ہم

تری جناب میں آیا ہوں اے اِلٰہ نہ پوچھ
یہی کہ بخش دے اور مجھ سے کچھ گناہ نہ پوچھ

اب دم شمردگی سے مجھے کاروبار ہے
ہردم مرے حساب میں روز شمار ہے

سو زخم کھا چکا ہے دل، اس پر جگر جلا
کہتا ہے زخم، مجھ کو ہے اک آرزو ہنوز

ہم ہوگئے ہیں ضعف سے جوں بوستان باغ
پھرتا ہے رنگ گل، کہ ہمارا کرے سراغ

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
گر پڑا، ٹوٹ آسماں اے دل

طریق عشق میں مجنوں و کوہکن کو نہ کہہ
ہزاروں ہوگئے غارت، سو ایک دو معلوم

پھرتی کی بھی سیر کر گئے ہم
اس پل سے بھی بس گزر گئے ہم
واں غصہ ہوئے رقیب پر تم
یاں مارے حسد کے مر گئے ہم

درازي شب هجراں و زلف یار " کلیم "
نہ مجھ سے پوچھ کہ کٹتی ہے رات آنکھوں میں

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بیکار باغ ہوں نہ سزاوارباغ ہوں

نے اور طنبور میں ' یہ سوز تو معلوم ہے مطرب !
کسی کا دل ہوا ہے شاید اس پردہ میں آ نالاں

غرور حسن ممکن کیا ؟ کسی کی داد کو پہونچے
غرض تم سن چکے احوال ' ہم فریاد کو پہونچے

تجھے میں آنکھوں میں کیونکر رکھوں کہ ہے برسات
پھر ایسا گھر ' کہ یہ خانہ خراب ٹپکے ہے

اس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہئے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہئے

(رباعي)

دنیا کے ہاتھ سے جو دل ریش ہیں ہم
اس واسطے یاں عاقبت اندیش ہیں ہم

دنیا داري و نوکري ' منصلت و کسب
جب کچھ نہ بنا ' کہا کہ درویش هیں هم [۱]

واقف

(شاہ) واقف نام ' دهلي کے رهنے والے تھے بلند پایہ درویش تھے - منطق ' معاني و بیاں ' رمل وغیرہ کے ماهر تھے -

اشعار میں رواني اور درد دونوں هیں یہ دونوں صفتیں مشکل سے جمع هوتي هیں [۲] -

خیال وعدہ ترا بسکہ شب نظر میں رها
تمام رات مرا جي صداے در میں رها
جلایا مجھ کو مرے ضبط آہ نے جوں شمع
اٹھا جو شعلہ جگر سے تو پھر جگر میں رها

کبھي ایسا بھی اے خدا هوگا وہ صنم هم سے آشنا هوگا
روز و شب مجھکو هے یہي دهڑکا نہ ملوگے ملوگے کیسا هوگا

یہ دل پھر آہ مژگاں بتاں سے بے طرح اٹکا
مجھے جس خار کا ڈر تھا سو پہلو میں مرے کھٹکا

---

[۱] نکات الشعرا - مخزن نکات - تذکرۂ میر حسن - سخن شعرا -

[۲] میر حسن کے سوا اور مشہور تذکرہ نویسوں نے ان کو معلوم نہیں کیوں نظر انداز کر دیا هے - مرتب -

کروں میں شکوہ اگر تیری بے وفائی کا
جہاں میں نام نہ لے کوئی، آشنائی کا
ابھی حواس بھی ثابت مجھے نہیں آئے
خدا کے واسطے مت نام لے جدائی کا

نہ قاصد ہی پہونچ سکتا ہے اب واں، نہ کام اپنا
الٰہی مضطرب ہوں کس طرح بھیجوں پیام اپنا
بہت موقوف شکوے وصل پر تھے اس جدا جو کے
کہا سو اک نگہ نے اس کی، قِصّہ ہی تمام اپنا

دام سے زلف کے، پھر دل کو چھڑایا نہ گیا
سر پر اس بخت سیہ کا مرے، سایا نہ گیا
اچپلاہٹ ایسے کہتے ہیں کہ شوخی سے وہ شوخ
میری آنکھوں کی تصور میں سمایا نہ گیا

دیار عشق میں تک دیکھ تو کیا ہے ستم "واقف"
نریں ہیں مُتّہم اس سے، نہیں ہیں جس سے ہم واقف

تیری نگہ لطف سے وابستہ ہیں یاں ہم
جوں عکس ذرا پھیرنے میں رو، کے کہاں ہم
کبھو اٹھتے، کبھو بیٹھتے ناطاقتیوں سے
جوں سایہ جہاں تو گیا اے دوست وہاں ہم

ان رقیبوں سے گئے گزرے ہیں کیا اے یار ہم
وہ شریک بزم ہوویں اور نہ پاویں بار ہم

خون آنکھوں سے ہم جو روتے ہیں
تیری مژگاں کے کانٹے بوتے ہیں
جو' صنم تجھ سے دل لگاتے ہیں
سو وہ ہم سے' خدا کے کھوتے ہیں

پیار کی باتوں سوا' ہم بھی تو رہ سکتے نہیں
دل میں آتا ہے کہ کچھ کہئے' پہ کہہ سکتے نہیں

مژگاں تری اِدھر ہے کدھر پھر کے رو کریں
اب کس کے دل میں دیکھئے ناحق فرو کریں
ہرچند وہ جمال ہے آنکھوں کے سامنے
لیکن کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

کبھی کبھی جو کرم کی نگاہ کرتے ہو
فرشتہ جان مری ! دل میں راہ کرتے ہو
ہمارا تھوڑے دنوں میں یہ حال پہونچایا
بھلا رقیب سے کیوں کر نباہ کرتے ہو
یہ کون ڈھب ہے کہ " واقف " سے میں نہیں واقف
وہی نہ جس پہ کرم کی نگاہ کرتے ہو

ہر آن ہم سے کیوں ہے عبث بدگمان تو
اپنا سا اور کو نہ سمجھ میری جان تو
اک دور کی جدائی میں مرتے ہیں یا نہیں
یکبار بھی یہ کرلے مرا امتحان تو
کیا کیا کہا تھا ' کیونکر لیا تھا ہمارا نام
قاصد خدا کے واسطے پھر کر بیان تو

صبا کہیو چمن کے عندلیبانِ غزلخواں کو
کرو تم چہچہے ہم دام میں ہو جائیں زنداں کو
ڈھلا دن آج کا بھی اور نہ آیا تو تو پھر ہم نے
چراغ آہ سے روشن کیا شام غریباں کو

جنّت و سایۂ طوبےٰ نہیں درکار مجھے
بس ہے اے یار ترا سایۂ دیوار مجھے
ہوس سیر چمن ! لے تو چلی ہے یاں سے
پر کسی دام میں مت کیجو گرفتار مجھے

خوبرو ہوکے باوفا ہووے میں نہ مانوں ' اگر خدا ہووے

جب کہ یاد آتا ہے گلشن میں مرا گلرو مجھے
خضر راہ بے خودی ہوتی ہے گل کی بو مجھے

وداع یار سے دل پر ملال هے سو هے
زباں سے گو نہ کہا جي کا حال هے سو هے

نہ پوچھہ حسن سلوک آہ مجھہ سے اُس بت کا
وهي ستم وهي ایذا کي چال هے سو هے

تم تو شب ' وعدہ پر اپنے گھر سے چل کر رہ گئے
صبح هوتے هوتے هم جوں شمع جل کر رہ گئے

اُن سے ملنے کا اُس کے یاد آتا هے سماں
اک قدم رکھا تو دس جاگہ مچل کر رہ گئے

جب تک وہ مقابل بت مغرور نہ هووے
بیتابي دل کوئي طرح دور نہ هووے
سرگوشي سے جو سامنے کرتا هے مرے ' بات
ڈرتا هوں اُسی کا کہیں مذکور نہ هووے

درد جو بے اختیار ' هم سے هم آغوش هے
یاد سے '' والف '' تو آج کس کي فراموش هے

غیر کی جا ' تو اگر ہم سے بھی اے یار ملے
عکس سے اپنے بھی ' پھر آنکھ نہ زنہار ملے
سب سے ملتے ہو تو ہو ظاہر میں ' یہ دھوکا ہے مجھے
کہیں مجھ سا نہ کوئی اور گرفتار ملے

صد نالۂ جانکاہ گرہ در نہ لب ہے
کیا جانئے کیا آج مرے دل پہ تعب ہے
غرہ نہ ہو ' قرب کرم یار پہ "واقف"
اس ابر کے دامن میں نہاں برق غضب ہے

ہجر جانکاہ کس طرح گزرے
یار بن آہ کس طرح گزرے
تو کہیں ' میں کہیں ' بھلا اوقات
اپنی دل خواہ کس طرح گزرے

صبح پر ' وصل یار کی ٹھہری
آہ پھر انتظار کی ٹھہری
کیا طرح اس گلی میں ' کہہ تو صبا
میرے مشت غبار کی ٹھہری
مت بکو اس سے بس کر اے "واقف"
اب تو دار و مدار کی ٹھہری

روز خزاں ، چمن میں جو دیکھا ہزار کے
اک مشت پر ، پڑے تھے تلے شاخسار کے
آوارہ ہوکے دل سے شکیب و قرار و صبر
یارب کہاں بسیں گے یہ اُجڑے دیار کے
یارانِ ہمنشین و رفیقانِ دوستدار
سب آشنا ہیں زندگیِ مستعار کے
جب مُند گئی یہ آنکھ ، تو اے دوست بعد مرگ
پھٹکے ہے پاس کون کسی کے مزار کے

صبا گلشن میں جاوے گی تو یہ کہہ دیجیو گل سے
تجھے اے بے وفا کیا فائدہ ہے خونِ بلبل سے
شکیب و طاقت و صبر و توان و دین و دل اپنے
سبھی آوارہ ہو کے اُٹھ گئے تیرے تغافل سے

کہوں کیا اُس کے وعدے کی حقیقت پوچھتے کیا ہو
وہی شام و سحر ہے اور وہی امروز فردا ہے

توقع زندگی کی دوستاں رکھیے کا کم ، ہم سے
کہ جوں نقش قدم چھٹتا نہیں کوئے صنم ہم سے
ہے جس کی خرمی سے زندگانی اپنی وابستہ
خفا رہتا ہے وہ ساعت بساعت دمبدم ہم سے

نہ پوچھو قلقہ بریانی کو میرے سر و قامت کی
تھا مجلس سے وہ اور اہل مجلس پر قیامت تھی

جگر میں آہ ہے آنکھوں میں نم ہے
خدا جانے یہ کس کا تازہ غم ہے

جو صنم خاطر نہ رکھے عاشق رنجور کی
ایسے ملنے سے بھلی صاحب سلامت دور کی

حاتم

ظہورالدین نام ' دہلی میں سکونت تھی - پہلے اپنا تخلص رمز کیا اس کے بعد حاتم ' ان کا دیوان بہت ضخیم تھا جس میں تمام اصناف شاعری شامل تھی ' آخر میں اپنے تمام کلام کا انتخاب کرکے اس کا نام دیوان زادہ رکھا - ان کا کلام سوز و گداز کا آتش خانہ ہے ' غزل میں خاص رنگ ہے ' آمد کی روانی موجزن ہے بعض اشعار کا ایک ایک لفظ چٹکی بھی ہے اور نشتر بھی -

ان کے اشعار غزل ' اخلاقیات ' پند و نصائح ' خمریات کے رندی سے مملو ہیں لیکن سب کا ایک رنگ ہے - "سودا" ان کے شاگردوں میں شاعری کے رکن اعظم گزرے ہیں - سنہ ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۰۷ھ میں وفات پائی -

شام کو کرتا ہے عزم قتل اور بخشے ہے صبح
کاشکے ایسے دورنگے سے نہ ہوتا آشنا
گرم ہو ملنا ہے سب اہل جہاں کا بے ثبات
آشنا چاہے تو ہو "حاتم" خدا کا آشنا

ہر گل اُس باغ کا نظروں میں دہاں ہے گویا
صورت غنچہ جو دیکھو تو زباں ہے گویا
"حاتم" اب اس کے سبھی منہ کی طرف دیکھیں ہیں
شیشہ مجلس میں یہاں پیر مغاں ہے گویا

صفا کر دل کے آئینہ کو "حاتم"
کہا چاہے اگر اُس کا نظارا

شانہ نہ کیجو زلف کو زنہار دیکھنا
بہتوں کے دل ہیں اس میں گرفتار دیکھنا
دیکھا تھا دور سے میں اُسے چھپ کے ' ایک روز
نظروں میں پا گیا وہ ستمگار دیکھنا

نہ بلبل میں نہ پروانے میں دیکھا
جو سودا اپنے دیوانے میں دیکھا
کسی ہندو مسلماں نے خدا کو
نہ کعبے میں نہ بت خانے میں دیکھا

اس تیغ نگہ سے ہو مقابل
ایسا کوئی بے جگر نہ دیکھا

رات ہم خواب میں اُس زلف کو پیچاں دیکھا
مستدام حال دل اپنے کا پریشاں دیکھا
شور اُس حسن کا یک چند تو ہم سنتے تھے
چشم بد دور اب آنکھوں سے دوچنداں دیکھا
میرے اشکوں نے دیا آج دو عالم کو بہا
نہ کبھو ہم نے سنا تھا وہ یہ طوفاں دیکھا
کعبہ و دیر میں "حاتم" بخدا غیر خدا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

تو زاہدوں کی طرح بیٹھ گھر میں مت "حاتم"
نکل کے قید سے تک دید کر خدائی کا

ہمارے حوصلے سے دور ہے مکتوب کا شکوہ
جو کچھ گذری سو گذری کیا بیاں کیجئے مصیبت کا
کہاں میں معصیت نامے تمہارے اے گنہگارو
کہ بہر شست و شو ہے منتظر باران رحمت کا

قفس میں پھینک ہم کو، پھر وہیں صیاد جاتا ہے
خدا حافظ ہے گلشن میں، ہمارے ہم صفیروں کا

ریختے میں ہند کی طوطی کا "حاتم" ہے علم
فارسی میں خوشہ چیں ہے بلبل تبریز کا

خمار آلودہ ہوں ساقی تنک ظرفی نہ کر ظالم
میں تیرے ہاتھ سے مشتاق ہوں جام لبالب کا

اے باد مت اڑا تو گریباں کی دھجیاں
لے ہے جنوں حساب یہاں تار تار کا

نہیں معلوم میرے کام کا انجام کیا ہوگا
یہی ہے فکر ہر دن صبح کیا اور شام کیا ہوگا
خبر قاصد کے آنے کی سنے سے جی دھڑکتا ہے
خدا جانے کہ اس بے مہر کا پیغام کیا ہوگا

" حاتم " دیا ہے شوخ نے اب دل صنم کے ہاتھ
دیوانہ میں تو تھا یہ سیانے نے کیا کیا

دیکھو شعور اس دل خانہ خراب کا
عاشق ہوا ہے کس بت مست شراب کا
" حاتم " تعینات کا گر وہم دور ہو
اٹھ جائے درمیان سے پردہ حجاب کا

ہمارا جان کہا ہم نے آہ بھی نہ کیا
یہ کیا غضب ہے کہ تم نے نگاہ بھی نہ کیا
میں اپنے دل کو بڑا کارداں سمجھتا تھا
پر ایک کام مرا سب داہ بھی نہ کیا

امتداد اس مرے آزار کا مت پوچھ طبیب
روز میثاق ملک زار ہوں کن کا؟ ان کا
ہے بجا فخر کروں اپنے اگر طالع پر
کفش برداروں کا سردار ہوں کن کا؟ ان کا

ہماری سیر کو گلشن سے کوئے یار بہتر تھا
خبر بلبل سے نالہ ہائے زار بہتر تھا
کبھو بیمار سن کر وہ عیادت کو تو آتا تھا
ہمیں اپنے بھلے ہونے سے وہ آزار بہتر تھا

ہمارا دل اگر شیدا نہ ہوتا
تو ایسا عشق کا چرچا نہ ہوتا
برا ہوتا جو ہوتا عشق معدوم
بھلا ہوتا جو میں پیدا نہ ہوتا
نہ چاہا جاہ "حاتم"! آفریں ہے
خدا جانے کہ ہوتا یا نہ ہوتا

میرے بغل میں رات وہ مست شراب تھا
حسرت کی آگ میں دل دشمن کباب تھا

وقت سحر چمن میں وہ گل بے نقاب تھا
ہر ذرہ اس کی تاب سے حوں آفتاب تھا

ہر حال اپنے حال کے تئیں بوجھ مغتنم
آیندہ ہے خیال، جو گذرا سو خواب تھا

نامے کو میرے دیکھ کے خاموش ہو رہا
قاصد کے تئیں جواب نہ دینا جواب تھا

فانی ہوا جو بحر میں، خود بحر ہوگیا
وہم حباب، پردۂ چشم حباب تھا

مجلس میں رات گریۂ مستاں تھا تجھ بغیر
ساغر بھرا شراب کا چشم پر آب تھا

نامہ بر دل کی تسلی کے لئے بھیجوں ہوں
ورنہ احوال مرا قابل مکتوب نہ تھا

طاقت اب طاق ہوئی صبر و شکیبائی کی
کب تلک صبر کرے دل مرا ایوب نہ تھا

کچھ حسن کی ہوتی نہ یہاں قدر نہ قیمت
جو عشق کبھو اس کا خریدار نہ ہوتا

یں اپنے دست پر، شب خواب میں دیکھا کہ اخگر تھا
سحر کو کھل گئی جب آنکھ، میرا ہاتھ دل پر تھا

چلا جاتا تھا " حاتم " آج کچھ واھی تباھی سا
جو دیکھا ھاتھ میں اُس کے ترے شکوے کا دفتر تھا

مسجد میں جو شیخ آ پھنسا تھا
میخانے میں طرفہ ماجرا تھا
مدت سے خبر نہیں کچھ اس کی
اک دل بھی ھمارا آشنا تھا

درد ھجراں کو ترے وصل نے درماں بخشا
للہ الحمد کہ محتاج طبیباں نہ ھوا

یک عمر بعد گھر مرے آیا وہ ناز سے
یعنی گدا اس کا نفاکار ھو گیا
آنے کی ماندگی سے اُسے نیند آگئی
گھر اپنا جان خواب میں دلدار ھو گیا
میں تب ادب سے اُس کے لگا پانوں دابنے
سوئے مرے نصیب وہ بیدار ھو گیا
" حاتم " عجب ھے رسم یہ اقلیم عشق میں
پاؤں کو ھاتھ لگتے گنہگار ھو گیا

ایک نے پائی نہ اب تک نبض کی رفتار حیف
درد میرا تختۂ مشق طبیباں ھو گیا

مسجد میں آج وعظ کا ھنگامہ گرم تھا
میرے قدم سے بزم حریفانہ ھو گیا
" حاتم " کا دل تھا شیشے کے مانند بزم میں
ساقی کے فیض دست سے پیمانہ ھو گیا

وصف کیجے میں ترے حسن کے شرمندہ ھوں
اس کے قابل نہ زباں ھے نہ دھاں ھے اپنا

مرے رونے سے ناصح تو جو ناخوش ھے تو کیا باعث
دل اپنا ' دامن اپنا ' دیدۂ اشک روان اپنا

کیا تھا دن کا وعدہ رات کو آیا تو کیا شکوہ
اسے بھولا نہیں کہتے جو بھولا گھر کو شام آیا
جواں مارا گیا " حاتم " بقول میرزا مظہر
برا تھا یا بھلا تھا الغرض جیسا تھا کام آیا

کہو تو کس طرح آوے وھاں نیند
جہاں خورشید رو ھو آکے ھمخواب
ھمیں بہتر ھے سونا جاگنے سے
بھلاتا ھے ھمارا درد و غم خواب

کہاں جاتا ہے ہمیں چھوڑ کے اے رونقِ بزم؟
تیرے اُٹھ جانے سے ہو جائے گا کاشانہ خراب
دلِ صد چاک مرا راہ یہاں کب پاوے
کوچۂ زلف میں پھرتا ہے ترے، شانہ خراب

ساقی کے تئیں بلاؤ، اُٹھاؤ طبیب کو
مستوں کے ہے مرض کی جہاں میں دوا، شراب

طالبِ باراں نہیں "حاتم" ہماری کشتِ عشق
اپنی چشموں سے وہاں ہم مینھ برساتے ہیں آپ

شہر میں پھرتا ہے وہ میخوار مست
کیوں نہ ہو ہر کوچہ و بازار مست
میکشو "حاتم" کو متوالا کہو
ایسا ہم دیکھا نہیں ہشیار مست

عشق میں پاس جاں نہیں ہے درست
اس سخن میں گماں نہیں ہے درست

دے کے دل اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ
ہم نے سودا کیا ہے دست بدست

آج اس بن ہیں بے قرار عبث　　ہاتھ سے دوں ہوں اختیار عبث

تعوید کرکے تجھ کو، گلے سے لگا رکھوں
دل چاہتا ہے اس کا بتا دلربا علاج

کوئي بتلاتا نہیں عالم میں اس کے گھر کي راہ
مارتا پھرتا ہوں اپنے سر کو دیواروں سے آج

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

نقد دل کھویا ہے هم نے جان کر اس راہ میں
في الحقیقت عاشقوں کو سود ہے نقصاں کے بیچ

غنچے کہیں ہیں، سر کو جھکا کر چمن کے بیچ
یعنی نہیں ہے جائے سخن اس دھن کے بیچ
اس دُھن پہ هم کیا ہے گریباں کو تار تار
شاید لگے کوئي بھی ترے پیرہن کے بیچ

دل تو کوچے کی ہوا سے تری ایسا پھولا
کہ سماتا هي نہیں ارض و سماوات کے بیچ

باغباں مجھ سے مقابل نہ ہو گل‌چینی میں
جائے گل ' لخت جگر ہیں مرے داماں کے بیچ

پیار نکلا ہے آفتاب کی طرح
کون سی اب رہی ہے خواب کی طرح

ہر قدم عمر چلی جائے ہے ایسی "حاتم"
جیسے جاتی ہے اُڑی ریگ بیاباں برباد

اسی کو خلق کہے ہے جہاں میں طالع مند
کرے جو دست گدا کی طرف کو دست بلند
ہوا جو رزق مقدر سو ہو نہ بیش ' نہ کم
تلاش و فکر و تردد کیا کرو ہر چند

عمر گذری ' کہ ہے کھلی "حاتم"
چشم دل انتظار کی خاطر

عطر کو مل کے نہ آ ہم پاس ذبح کرتی ہے یہ بو بندہ نواز
واجب‌القتل تمہارا میں ہوں اور کا ناؤں نہ لو بندہ نواز
دل سے "حاتم" بخدا بندہ ہے دور خدمت سے ہے گو ' بندہ نواز

بندے کو شاد کرو' بندہ نواز ورنہ آزاد کرو' بندہ نواز

مسجد میں سر پٹکتا ہے تو جس کے واسطے
سو تو یہاں ہے دیکھ ادھر آ خدا شناس
پکڑا نہ جائے ان کے گناہوں میں تو کہیں
صافی سے میکشوں کے پرے جا خدا شناس
"حاتم" پھروں ہوں ڈھونڈھتا عالم میں کوبکو
آوے کہیں کوئی بھی نظر ناخدا شناس

کیا ہے جب سے نکل کر تو میرے ہاتھوں سے
ملوں ہوں تب سے میں حسرت زدہ' کف افسوس

پھونکوں تو سر پھٹے ہے' نہ پھونکوں تو جی گھٹے
تنگ اس قدر دیا مجھے صیاد نے قفس
"حاتم" جہاں کو جان کے فانی خدا کو چاہ
اللہ بس ہے اور یہ باقی ہے سب ہوس

عمر میں باقی نہیں اور ہجر کو پایاں نہیں
"حاتم" اتنی زیست پر عاشق ہوا ہوتا نہ کاش

"حاتم" اس بے وفا کا نام نہ لے ایسے نا آشنا سے کیا اخلاص

عاشقی کے فن میں ہیں اُستاد ہم
لے گئے فرہاد و مجنوں ہم سے فیض

پایا نہ ہمنے آکے کہیں زندگی کا حظ
گویا کہ اِس جہاں میں نہیں زندگی کا حظ

عالم ہے کامیاب ترے باب فیض سے
ایسا کیا ہے حق نے تیرا آستاں وسیع

جب وہ دیکھے ہے میری جاں کی طرف
دیکھتا ہوں میں آسماں کی طرف
بلبلو! چہچہے مبارک ہوں
وہ گل آتا ہے گلستاں کی طرف

دشت وحشت میں مرا دست جنوں اور خار عشق
یہ ہے داماں کا حریف اور وہ گریباں کا حریف
دیکھتے ہی رنگ تیرا اُڑ گیا ہے گل کا رنگ
کیوں ہوا تو اس قدر ظالم گلستاں کا حریف

حرم کو چھوڑ کے اس دم، طواف دل کا کروں
جس آن آ کے مرے دل میں جا کرے معشوق

اسے زنجیر کی حاجت نہیں ہے   ہے پابندجنوں دیوانۂ عشق

قیامت پر قیامت ہوئےگی روز جزا ظالم
اُٹھیں گے داد تجھ سے مانگنے ' جب صف بہ صف عاشق

جانے نہ دونگا ہاتھ سے اُس کو کسی طرح
مقدور میرا ہوئے گا " حاتم " جہاں تلک

کرچکے شرط بندگی ' ہم سے ہوئی جہاں تلک
دل تو کباب ہو گیا حق نمک کہاں تلک

سالہا گذرے پر اب تک سر پٹکتے ہیں پڑے
تیرے ماروں کو نہیں آرام یکدم زیر خاک

کیونکر ہو میکشوں کے تئیں اِس ہوا میں صبر
کیا ابر ہے ' نظر تو کرو آسماں کا رنگ
" حاتم " کسو میں گرمئی صحبت نہیں رہی
دل دیکھ دیکھ سرد ہوا ہے جہاں کا رنگ

اے حسن کے گلزار و بہارِ چمنِ دل
گلشن ترے آنے سے ہوا انجمنِ دل

آئے تھے ہم اِس باغ میں مانند غنچہ ' سر بہ جیب
اور چلے جاتے ہیں اب جوں گل گریباں خاک ہم

رحم تیرا ظلم ہے ' حق میں ہمارے اے اجل
ورنہ کیا کرتی ہے کیا جی کر کریںگے خاک ہم

جب آپ سے ہی ' گذر گئے ہم ۔ پھر کس سے کہیں کدھر گئے ہم ؟
کیا کعبہ و دیر و کیا خرابات ۔ تو ہی تھا غرض جدھر گئے ہم
آئے تھے مثال شعلہ سر گرم ۔ جاتے ہوئے جوں شرر ' گئے ہم
کچھ اپنے تئیں کیا نہ معلوم ۔ کیا آپ سے بے خبر گئے ہم
اس درجہ ہوئے خراب الفت ۔ جس سے اپنے اُتر گئے ہم
فیض اس لب عیسوی کا " حاتم " ۔ بالعکس ہوا کہ مر گئے ہم

کس جگہہ لے جائیں تیری ظلم کی فریاد ہم
تجھ سے ہی تیرے ستم کی چاہتے ہیں داد ہم

بحر و بر میں ہے ' ہماری شہرت دیوانگی
عاشقی کے کام میں مجنوں کے ہیں اُستاد ہم

سوکھ کر کانٹا ہوئے پنجرے میں ' تب چھوڑے ہے تو
کہہ ! کہاں لے جائیں اب یہ مشت پر صیاد ہم

دیکھ لے سارے گنہگاروں میں جی دینے کو آج
سر سے حاضر ہیں تری خدمت میں اے جلاد ہم

لبریز جب سے عشق کے ساغر ' پئے ہیں ہم
کرتے نہ تھے جو کام ' وہی سب کئے ہیں ہم

فانوس تن کے بیچ ہیں روشن، مثال شمع
جو داغ دل پہ عشق میں تیرے دئے ہیں ہم
شمشیر عشق کے جو تھے "حاتم" کے دل میں داغ
سوزن پلک کی تار نگہہ سے سئے ہیں ہم

—

اس ابر اس ہوا میں، یوں آوتا ہے دل پر
پی پی شراب، ہوویں بے اختیار ہم تم
"حاتم" کا اس گھڑی سے دشمن ہوا ہے حاکم
جس روز سے ہوئے ہیں اے یار! یار ہم تم

—

آرے ہے تو جو ایسی آسماں پر، ہر سحر شبنم
تجھے خورشید کے دیکھے سے، کیا لگتے ہیں پر؟ شبنم!

—

خدا بغیر نہیں، دل کو اب توقع غیر
کسو سے کام نہیں مجھ کو، کام سے کیا کام
مثال گنگ ہوں خاموش، مجھ سے مت بولو
جو بے زبان ہو اس کو کلام سے کیا کام

—

کسو کو قید کرے ہے کسو کو باندھے ہے
اسے ہے اپنے عمل بیچ بندوبست سے کام

—

مدت ہوئی ، پلک سے پلک آشنا ہوئے
کیا اس سے اب زیادہ کرے انتظار چشم
ظالم خدا کے واسطے " حاتم " کو منہ دکھا
مدت سے دیکھنے کی ہیں امیدوار چشم

قطعہ

ایک دن " حاتم " میں جاتا تھا بیاباں کی طرف
ناگہاں اک گور اوپر جا پڑا میرا قدم
خاک سے اُس شخص کی آواز آئی کان میں
یعنی وہ یہ بیت پڑھتا تھا ، بصد سوز و الم
" اے فریب باغباں غافل مشو اے عندلیب
پیش ازیں من ہم دریں باغ ، آشیانے داشتم "

اس درجہ دلبروں سے گئی رسم دلبری
دل ہاتھ پر لئے ہیں ، کوئی دلستاں نہیں

میں کس امید پر "حاتم" بناؤں گھر کو یہاں
جہاں میں عمر کی بنیاد پائدار نہیں

ایک ہم ہیں کہ ترے ظلم و جفا سے خوش ہیں
ورنہ تجھ سے کوئی بیزار کہاں ہے ، کہ نہیں

چلو شراب پئیں بیٹھ کر کنارے آج
کہ ہووے رشک سے ماھی کباب ' دریا میں

جدا ہوتا نہیں یک آن ' صدمے اُس کی الفت کے
نہ دیکھا درد سا ہم نے کوئی غمخوار دنیا میں

قطعہ

ایک دن گذرا میں گورستان میں
دیکھکر مردوں کو آیا دھیان میں
یہ وہي سب ہیں کہ جن کہ واسطے
حق نے سب پیدا کیا اک آن میں
کس طرح یہ جامۂ زیبان جہاں
یوں پڑے ہیں خاک کے دامان میں
کون اس میں نیک ہے اور کون بد
کون خوش ہے کون ہے زندان میں
تھا اُسي غم‌میں کہ ناگہ پیر غیب
کہہ گیا آھستہ میرے کان میں
رحمت حق سے نہیں کوئي ناامید
دیکھہ لے '' لاتقنطو '' قرآن میں
سنتے هی دل‌کو تسلی ہوگئی
پھر کے آئی جان میري جان ' میں

بسکہ میں تشنۂ شہادت ہوں   دل کو اپنے شہید کرتا ہوں

میکدے میں صاحب جام و شراب و شیشہ ہوں
محتسب! دونوں جہاں کے غم سے بے اندیشہ ہوں

تجھے تو اپنی عبادت پر ہے نظر لیکن
میں اس کے فضل کے اوپر نگاہ کرتا ہوں

افسوس کہ آپ مجھ کو اب تک - معلوم نہیں کیا کہ کیا ہوں

جنوں جب سے ہوا ہے آشنا اے ناصح مشفق
خرد کیساتھ اک مدت ہوئی دست و گریباں ہوں

قیامت تک جدا ہووے نہ یارب   جنوں کے دست سے میرا گریباں

منہ سے تک دور کر نقاب کے تئیں
لے فلک میں آفتاب کے تئیں

کانوں میں فریب پرور ہے   میرے بد و ضع بدزباں کی زباں

آرزو ہے ، مجھے صیاد اگر دے رخصت
ایک پرواز کروں تا سر دیوار چمن
عندلیبو ! تمھیں گلگشت مبارک ہو وے
ہم سے اب دشت نوردوں کو کہاں بار چمن

ہاتھ سے ، دشت جنوں ! میں ترے ، عاجز آیا
خار پانوں سے نکالوں میں کہ خار دامن
کس طرح چاک کروں آہ ، کہ ہے پاس ادب
ہے گریباں میں نشانی تری ، تار دامن

چڑھایا آسماں پر ہم کو ، آخر خاکساری نے
بگولے کی طرح گو خانماں برباد رکھتے ہیں

بجز صبح قیامت ، رات اُس زلفوں کے عاشق پر
نہیں کوتاہ ہونے کی ، درازی اِس کو کہتے ہیں
اُٹھاکر خاک سے " حاتم " چڑھایا آسماں اُوپر
مرے اللہ کی ، بندہ نوازی اس کو کہتے ہیں

لطف اس کا ، ستم سمجھتے ہیں
ایسی باتوں کو ، ہم سمجھتے
جس کو ہستی کہے ہیں اہل جہاں
ہم تو اُس کو عدم سمجھتے ہیں

میں پیمایش کیا مجنوں صفت یکسر بیاباں کو
نہ پہنچا دامنِ صحرا مرے چاکِ گریباں کو

تم کہ بیٹھے ہوئے اک آفت ہو
اُٹھ کھڑے ہو تو، کیا قیامت ہو؟

"حاتم" اب کس کی مجھ کو پروا ہے
کوئی میرا خدا نہیں تو نہ ہو

کیا کہیں اُس کا گھر ہے کتنی دور
تھک گئے ہم تو راہ سے پوچھو
حسن سے کیوں ہے عشق کا دعوے
حق ہے شاہد گواہ سے پوچھو

فدوی ہے، جاں فشاں، ہے علم قدیم ہے
"حاتم" کی بندگی کو فراموش مت کرو

اُس کے ہاتھوں سے نہ جیتا ہوں، نہ میں مرتا ہوں
کس مصیبت میں گرفتار ہوں اللہ اللہ

مے وحدت کا طلبگار ہوں سبحان اللہ
کس خرابات کا میخوار ہوں سبحان اللہ

آنکھوں کو چھوڑ تیری نظر کس طرف کروں
رہتی ہے میکشوں کی سدا جام پر نگاہ

تیرا دھن ہے گویا انگشتری کا حلقہ
اور ہونٹھ رنگ پاں سے ' ہے لعل کا نگینہ

تو سیر کرے ہے جس چمن کی
ہر گل میں صبا ! اُسی کی بو ہے

کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھ کو یاد ہے
یعنی بے معشوق جینا زندگی برباد ہے

تنہا نہیں چلا ہوں میں " حاتم " بتاں کے شہر
ہمراہ اس سفر میں مرے ' آہ و نالہ ہے

خواب میں تھے جب تلک ' تھا دل میں دنیا کا خیال
کھل گئیں آنکھیں تو دیکھا ہم نے سب افسانہ ہے
معتکف ہو ' شیخ اپنے دل میں مسجد سے نکل
صاحب دل کے بغل میں دل ' عبادت خانہ ہے

مدت ہوئی کہ مر کر میں خاک ہو گیا ہوں
جینے کا بد گماں کو اب تک مرے گماں ہے

آپ ہی میں دیکھ "حاتم" وحدت کے بیچ کثرت
تو ایک جا ہے اور دل نہاں کہاں ہے

بزم میں کس کے تئیں فرصت سرنوشی ہے
نگہِ مست تری ' دارُوئے بےھوشی ہے

بےخود اس دور میں ھیں سب ' "حاتم"
اِن دنوں کہا شراب سستی ہے ؟

جس کو تیرا خیال ہوتا ہے اس کو جینا محال ہوتا ہے

خاکساروں کا دل ' خزینا ہے
اِس زمیں میں بہی کچھ دفینا ہے
اُس کے وعدے سبھی ھیں سچ "حاتم"
دن برس ہے ' گھڑی ' مہینا ہے

بخشی ہے مجھے بےپروبالی نے اسیری
آپہونچ شتابی ' مرے صیاد کہاں ہے !
کس کو ہے توقع کہ ہو آزاد قفس سے
احوال اسیروں کا ' اُسے یاد کہاں ہے
"حاتم" میں جسے دیکھوں ہوں بندا ہے خدا کا
کہنے کو ہے آزاد ' پر آزاد کہاں ہے

ہماري عقل بےتدبیر پر ، تدبیر ہنستی ہے
اگر تدبیر ہم کرتے ہیں تو تقدیر ہنستي ہے
اسیروں کا نہیں فل یہ ، جو تم سنتے ہو زنداں میں
مرے دیوانہ پن کو دیکھ کر ، زنجیر ہنستی ہے

مریض عشق ہوں ، مطلب نہیں مسیحا سے
تو منھ دکھا کہ مرے درد کی دوا تو ہے

دل سے بوئے کباب آوے ہے　　کون مست شراب آوے ہے

اے صبا کس طرف کو گذری تھی　　تجھ سے بوئے نگار آوے ہے
ٹک ادھر بھي گذر کہ اُس بو ، سے　　میرے دل کو قرار آوے ہے
اِس قدر بس ، کہ روز ملنے سے　　خاطروں میں غبار آوے ہے

عشق کے شہر کی کچھ آب و ہوا اورھي ہے
اُس کے صحرا میں جو دیکھا تو فضا اور ھي ہے

تو ، ہم سے جس طرح مل جاتا ہے
زباں سے کیا کہیں ؟ دل جانتا ہے
مرے کیونکر نہ تیرے غم میں ، عاشق
یہی جینے کا حاصل جانتا ہے

ٹک کھول زلف اپنی ' زنجیر ہے تو یہ ہے
دیوانہ پن کی میرے تدبیر ہے تو یہ ہے
میں راستی کہوں ہوں تم بخشو یا نہ بخشو
دل چاہتا ہے تمکو ' تقصیر ہے تو یہ ہے
کس کام کی ہمارے یہ کیمیائے ہستی
محتاج یک نظر ہوں ' اکسیر ہے تو یہ ہے

ہر قدم پر ہمیں ہے سیر بہشت   اُس کا ہر نقش پا ' گلستاں ہے

نکلے ہے جس کے " حاتم " شہروں میں عید آوے
سارے برس میں مجھ کو وہ ایک ماہ ' بس ہے

سر پٹکتے ہیں پڑے ' کنج قفس میں مجھ سے سو
ایک سی بے پروبالی سے کیا پروا مجھے

مزا لیلے کے جلنے کی طرح سے شمع واقف ہے
جلے تو ہے ' پر اِس لذت کے تئیں پروا نہ کیا جانے

رو رو ہوا ہوں خشک یہاں تک ' کہ دیکھ لو
آنسو بھی اب نہیں کہ مری چشم ' تر کرے
دعویٰ کیا ہے شمع نے " حاتم " سے عشق میں
دونوں میں دیکھئے یہ مہم ' کون سر کرے

جو اپنے ذم کو سونپے خدا کو تو " حاتم "
تو سب سے خوب ترا کام ' کارساز کرے

دل مرا لے کے پھر مکرتے ہو تم تو ایسے نہیں ' خدا نہ کرے

گردن اپر مرے سر پرشور ' بوجھ ہے
ابرو کو ٹک دکھا کے ' سبک بار کیجئے

ابھی مسند نشین طارم افلاک ہو جاوے
جو سب کچھ چھوڑ دل ' تیرے قدم کی خاک ہو جاوے
چمن میں خون سے بلبل کے گل آسودہ داماں ہے
اگر شبنم اُسے دھووے تو شاید پاک ہو جاوے

جہاں کے باغ میں کرتا ہے سیر اس واسطے '' حاتم ''
کبھو شاید محبت کی ' کسو بھی گل سے بو آوے

دل کی دعاؤں سے ہے مری اُس کو سب خبر
درکار نامہ بر نہیں پیغام کے لئے

کبھو دیکھی نہ اُس سے " حاتم " نے
دلبری ' دل دھی و دل جوئی

جانتے تھے ' اپنے میں ہوش و حواس
یک نگہہ میں سب تمہارے ہو گئے
جب ہوئے " حاتم " ہم اُس سے آشنا
دوست بھی دشمن ہمارے ہو گئے

تمہارے عشق میں ہم ننگ و نام بھول گئے
جہاں کے دم تھے جتلے ' تمام بھول گئے

معلوم ہے کسو کو کہ وہ آج شعلہ خو
مجھ کو لگا کے آگ نہ جانے کدھر گئے

کیا مدرسہ میں دھر کے ' الٹی ہوا بہی
واعظ نہی کو امر کہے ' امر کو نہی [ا]

امانی

خواجہ امامی نام ' شاہجہاں‌آباد کے رہنے والے تھے - مرثیہ خوانی اپنا پیشہ بنا لیا تھا -

کلام میں ذہانت اور شوخی ہے ' سلاست اور زبان کا لطف نہیں ' مضمون آفرینی بھی کم ہے - سنہ ۱۱۸۱ھ میں مرشدآباد جاتے ہوئے انتقال کیا -

اُس کے کوچے سے ' غبار اُٹھا   کون سا ' واں سے خاکسار اُٹھا
عندلیبو! بساؤ اب صحرا   باغ سے موسم بہار اُٹھا

[ا] انتخاب حسرت - خمخانۂ جاوید - تذکرۂ مصحفی -

ھچکیاں سے گلا بھاں روئیں بزم سے جب وہ مے گسار اُٹھا
عزم رخصت ھوا جب ھی اس کا میرے دل سے وهیں قرار اُٹھا

وائے اپلی اس بصارت پر' کہ ھر ذرے میں آہ
جلوہگر ھے آفتاب' اور تاب بینائی نہیں

کون سا دن ھے کہ مجھ کو یاد تو آتا نہیں
کون سا دم ھے' کہ آنکھوں بیچ پھر جاتا نہیں
عشق میں کس کے "امانی" مبتلا ھے' جس بغیر
تجھ کو نظارہ گلوں کا ان دنوں بھاتا نہیں

چمن سب لہلہاتے ھیں پڑے' بادل برستے ھیں
شتاب آ ساقیا! ھم بادہ نوشی کو ترستے ھیں
زمانہ جائے عبرت ھے' چمن کا حال چل دیکھو
تجمل جن گلوں کا کل تھا سو وے آج جھڑتے ھیں
مساوی جانیو خوش طالعی و بدنصیبی کو
"امانی"! منعم و مفلوک سب کے دن گذرتے ھیں

"امانی" تو ھوا تیغ تغافل ھی ستی بسمل
بھلا بتلائیے کس پر کمر اب آپ کستے ھیں

ھم ترا نزع تلک' جور سہے جاتے ھیں
یاد آویں گے بہت اتنا کہے جاتے ھیں

وائے واماندگی اپنی، یہ آنکھوں آگے
کارواں رو میں ہے، ہم پیچھے رہے جاتے ہیں

اثر ہو سنگ میں کیا، کیونکہ اس کو رام کریں
بتوں کے دل ہو، تو یا رب یہ آہیں کام کریں

دیکھ لو، کیا ہے وہ بت، سنگ دلی پر نازاں
تجھ میں اے نالۂ جاں دہ! اثر ہے کہ نہیں

یارو گر دار پہ منصور نہیں دیکھا ہے
نوک مژگاں پہ مرے لخت جگر کو دیکھو

صف مژگانِ آہوچشم کا ہوں کشتہ، اے یاراں
سرِ تربت پہ چن دیجو مری، خار بیاباں کو
زباں پر راز عاشق کا نہ لانا سر کٹا دینا
سر شتہ کس سے ہاتھ آیا ہے یہ شمع شبستاں کو

میں نے پہلو سے گم کیا تجھ کو
آہ دل! کن نے لے لیا تجھ کو
اشک! آوارگی سے تو نہ تھما
میں نے آنکھوں میں گھر دیا تجھ کو

اللہ‌رے صلم ! یہ بری خود نمائیاں
اس حسن چند روزہ پہ اتنا غرور ہے

دم بدم اس کی خلش سے اب مجھے آزار ہے
دوستاں یہ دل نہیں ' پہلو میں میرے خار ہے

چاہ میں کس کی ' دل ڈبو بیٹھے
آہ ! ہم کیسے دل کو ارو بیٹھے
کیوں '' امانی '' گیا نہ آخر دل
کف افسوس اب ملو بیٹھے

ہم سا جو ناتواں عقب کارواں رہے
جوں نقش پا وہیں کے ہوئے پھر جہاں رہے

صدمے جو پڑے ہیں دل پہ غم کے
آنسو نہیں تھمتے چشم نم کے
خوش خواب میں ہیں مگر ' جو اب تک
جاگے نہیں خفتگاں عدم کے
ہے صبح کو عزم رفتن یار
تک نکلیو آفتاب تھم کے

آنکھیں بھی ملدتی ھیں ' عجب جی پہ تعب ھے
یارب دل حیراں کو مرے کس کی طلب ھے

دم لیلے نہیں دیکے ھیں ' بہم کے یہ نالے
کیا جانئے کیا دل کو مرے درد کشب ھے
ھجراں کے شب و روز کا مت پوچھو گذرنا
دن کٹ گیا جوں توں کے ' تو پھر رات غضب ھے
مدت سے سروکار غم ھجر سکی ھے
کچھہ عیش سے تو کام نہ آگے تھا نہ اب ھے

فغاں

اشرف علی خاں نام ' احمد شاہ (بادشاہ) کے کوکا تھے ' شعر و شاعری کی مہارت کے ساتھہ لطیفہ گوئی اور بدلہ سنجی میں بھی طاق تھے اسی وجہ سے احمد شاہ نے اُن کو ظریف‌الملک کا خطاب دیا تھا - دھلی میں سکونت تھی ' درانیوں کے حملے سے پریشان ھو کر مرشدآباد اپنے چچا کے پاس چلے گئے ' وھاں سے فیض‌آباد آکر نواب شجاع‌الدولہ کے خاص مصاحب ھو گئے پیسے سے ھاتھہ جلنے کی وجہ سے نواب سے خفا ھو کر عظیم‌آباد واجہ شتاب رائے کے دربار میں آ گئے ' باقی عمر عزت سے یہیں بسر کر دی -

اُن کی شاعری' گداز کا آئینہ' اور کہنہ مشقی کا ثبوت ھے ' زبان اتنی صاف ھے کہ دور موجودہ میں بھی اکثر شعرا کے بس سے باھر ھے -

چھوٹے چھوٹے الفاظ کے کوزے میں معانی کا دریا بھر دیئے ہیں - لطف محاورہ میں بے ساختگی ' بندش کی چستی یعنی غزل کے تمام لوازم موجود ہیں اور بہتر صورت میں موجود ہیں -

علی قلی ندیم کے شاگرد تھے [۱] ' سنہ ۱۱۸۹ ھ میں وفات پائی -

صنم بنا تو خدائی میں تجھ کو کیا نہ ہوا
ھزار شکر کہ تو بت ہوا خدا نہ ہوا

زخم دل تو سہا نہیں جاتا بن سیئے بھی رہا نہیں جاتا
اے " فغاں " دیکھنا سمجھہ لینا دے کے دل ' پھر لیا نہیں جاتا

ایسی نگاہ کی ' کہ مرا جی نکل گیا
جھگڑا مٹا ' عذاب سے چھوٹے خلل گیا

عالم کو جلاتی ہے تری گرمئی بازار
مرتے ہم ' اگر سایۂ دیوار نہ ہوتا

جب گلشن بہار کو رنگ خزاں نہ تھا
مشفق ہمارے حال پہ تو مہرباں نہ تھا

---

[۱] تذکرۂ مصحفی -

دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے
گویا کبھی چمن میں مرا آشیاں نہ تھا

ر کو فدائے خنجر بیداد کرچکا
پہونچا میں اپنی داد کو فریاد کرچکا

ابھی مٹا نہیں دعویٰ ستم رسیدوں کا
کفن ہوا نہیں میلا ترے شہیدوں کا

کہا تو شبِ فراق میں جیتا رہا "فغاں"
یاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار کا

بے سبب شمع کب جلے ہے "فغاں"
لطف سوز و گداز میں پایا

مت قصد کر صبا تو دل داغ دار کا
ظالم! یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا

ساقی نہ میں، یاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل، دیکھتے ہی ابر کو بے ساختہ بھر آیا

آوارہ، پریشاں و شکستہ دل و بسد نالم
ملتے تھے "فغاں" جس کو سو آج ہی نظر آیا

اس قدر طاقت نہیں، جو بال و پر بھی وا کروں
کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں؟

نہ اے قاصد، میں رو رو یار کی فریاد کرتا ہوں
ترے دیکھے سے، میں اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں

میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہے
کیا اُڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں؟

کاش! آ جاوے قیامت اور کھلے دیوانِ حشر
وہ "فغاں" جو ہے گریباں چاک فریادی کہاں

صیاد! راہ باغ فراموش ہوگئی
گلبنِ قفس سے، مت مجھے آزاد کیجیو

تقویت ہے داغ سے میرے دل بیمار کو
اے فلاطوں! کہہ تو، کیا کہتے ہیں اس آزار کو؟
چھوڑ کر مجھ کو کہاں جاتا ہے، اے خانہ خراب
سونپتا ہے کیا مرے سر سے درو دیوار کو

نکلا خط، ہمیں پیغام کیا ہو؟   اب اس آغاز کا، انجام کیا ہو
نہ اُلجھو، بے محجوبی، بے مروت   تری خاطر کوئی بدنام کیا ہو

مجھ مبتلا کی چشم، کہاں تک پر آب ہو
اے دل! خدا کرے ترا خانہ خراب ہو

اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گزر گئی
دیکھا تو ہنس دیا جو، نہ دیکھا تو رو دیا
کیا پوچھتے ہو حال "فغاں" کا سلا نہیں
خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

ہستی کے خواب نظر آتے جو عدم میں
ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا

ممکن نہیں کہ شہر نہ ہو وے رکاب میں
تجھ کو خدا نہ لائے ہمارے مزار پر

یہ امتحاں نہ کر، اے میرے مہرباں عزیز!
جہاں میں کوئی بھی تجھ سے رکھے گا جان عزیز

پاؤں چلتے ہوئے دیکھے، تو بیاباں کی طرف
ہاتھ اُٹھتے نظر آئے تو گریباں کی طرف

کہتا ہے یہ، بہشت میں مستوں کی جا نہیں
زاہد کا کیا، خدا ہے ہمارا خدا نہیں؟

خط دیجیو چھپا کے، ملے وہ اگر کہیں
لکھنا نہ میرے نام کو، اے نامہ بر کہیں

نے زندگی میں وصل میسر، نہ بعدِ مرگ
عاجز ہوا ہوں اے دل ناشاد، کیا کروں؟

ملنے سے عجز ہے، ہرگز اسے حجاب نہیں
کہوں تو کہہ نہیں سکتا، رہوں تو تاب نہیں
خراب دیکھ، کہے گا میری خرابی کو
ہزار حیف! کہ وہ خانماں خراب نہیں

عاجز ہوں ترے ہاتھ سے، کیا کام کروں میں؟
کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں

مت کوئی روشن کرو، مجنوں کی تربت پر چراغ
وہ جل جائےگی، دیوانے کی پروانے کے ساتھ

بک گیا اب تو یہ دل کافر خوں‌خوار کے ہاتھ
بندہ گئے رشتۂ الفت سے، گلعذار کے ہاتھ

صنم کہتے ہے، کیا خوش ہے وہ کافر
جدائی کا تصور، بندھ رہا ہے
"فغاں" کو وصل میں آرام کیا ہو
جدائی کا تصور، بندھ رہا ہے

محبت! تو تڑپ ہے، کنج قفس میں مرغ چمن
اسی تڑپ سے تو یہ بال و پر گئے اپنے

شب فراق، نہ تنہا مجھے رلاتی ہے
یہ صبح وصل بھی، آنسو سے منہ دھلاتی ہے

اگر میری زباں پر، بار دیگر انتظار آوے
ابھی رولے یہ ظالم دل، مرا بے اختیار آوے

دل، زلف میں الجھا مجھے آرام بھی ہے
میں صید بلاکش ہوں، مرا دام بھی ہے

تار کی طرح کہیں زلف بتاں سے ٹوٹے
یا الہی! دل بیمار بلا سے چھوٹے

ضعیف ہے دل بیمار، اس قرینے سے
اٹھ کے آہ نکلتی ہے میرے سینے سے

عشاق تیرے، گرمی بازار کر گئے
اس جنس کو گراں، یہ خریدار کر گئے

اٹھ چکا دل مرا، زمانے سے   اڑ گیا مرغ، آشیانے سے
ہم نے پایا، تو یہ ستم پایا   اس خدائی کے کارخانے سے

پھر از دوئی کے، مانع دیدار کون ہے
وہ یار ہوگیا تو پھر اغیار کون ہے ؟
بیم غضب، رکھے ہے ہمیں مغفرت سے دور
گر وہ کریم ہے تو گنہگار کون ہے

مجھ سے جو پوچھئے، تو بہر حال شکر ہے
یوں بھی گزر گئی، مری ووں بھی گزر گئی

ظلم نامہرباں ہے اس قدر، اے میرے رب! کیا ہے ؟
مری تقصیر کچھ ثابت نہیں، وجہ غضب کیا ہے ؟

بھر لیجئیو ! دامن میں "فغاں" لخت جگر کو
ہم خانہ بدوشوں کا ، سرانجام یہی ہے

تیرے ہی دل سے پوچھئے ، اس غم کو ہاں "فغاں"
الفت ، بری بلا ہے ، کسی کو خدا نہ دے

یہ دل ، ترے وصال کا مذکور کیا کرے ؟
مقدور جب نہووے ، تو مجبور کیا کرے ؟

ترے فراق میں ، کیوں کر یہ دردناک جئے
مرے تو مر نہیں سکتے ، جئے تو خاک جئے

اثر کرتی نہیں ، اس بت کے دل میں آہ ، کیا کیجے
عجب حالت ہے میری ، اے مرے اللہ ، کیا کیجے

مجھ دل ناشاد کو ، ہر وقت غم سے کام ہے
کیا خوشی یارو زمانے میں اسی کا نام ہے ؟

کٹ گئی ساری عمر ، غفلت میں
کچھ تری بندگی ادا نہ ہوئی

عکس میرا، شب ہجراں میں تماشائی ہے
ایک میں آپ ہوں اور گوشۂ تنہائی ہے
میں تو وہ ہوں، کہ مرے لاکھ خریدار ہیں اب
لیکن اس دل سے میں ڈرتا ہوں کہ سودائی ہے

نالاں نہ ہو تو، یار کے شکوے سے باز آ
سن پائے گا "فغاں" کوئی فریاد رس ابھی

قاصد، جو نا امید پھرا کوئے یار سے
خدمت مجھے ہوئی، دل امیدوار سے

دل میں اس شوخ کے ہو پاس وفا، سو معلوم
کھلے ملنے کے لگے، بات بنا رکھا ہے

مظہر

شمس الدین نام، جانجاں لقب تھا - ان کے والد مرزا جان عالمگیر کے منصب‌دار تھے، نسب، ماں کی طرف سے محمد بن حنفیہ تک پہونچتا ہے، باپ کی طرف سے تیموری خاندان سے تعلق تھا -

جب یہ پیدا ہوے، تو عالمگیر نے "جانجہاں" کا خطاب دیا اور کہا کہ "پسر جان پدر می باشد" ۱۸ برس کے ہوے تو ان کے والد نے انتقال کیا، تقدیر یاور تھی شیخ محمد افضل

سیالکوٹي شیخ‌المحدثین سے حدیث کي تکمیل کي - تیس برس تک مشائخ نقشبندیہ سے فیوض حاصل کئے -

مرزا صاحب نہایت خوش تقدیر ' اور صاحب فضل و کمال تھے ' مستغني ایسے تھے کہ کسی امیر کے سامنے نہ کبھي حاجت لے گئے اور نہ کسي کو خاطر میں لائے -

چونکہ فارسی تغزل میں خاص پایہ رکھتے تھے ' اور دل میں تصوف نے گداز پیدا کردیا تھا ' عشق حقیقي کی کھٹک دل میں تھی اس لئے اُردو کي غزلیں شراب‌کیف کے پیمانے ھیں ' معانی کا جوش ' الفاظ کي بندش سے باھر ھوا جاتا ھے -

مرزا صاحب نے اُردو تغزل کے آب حیات میں سب سے پہلے تصوف کی شیرینی ملائی ھے - ان کي زبان بھی ملیس ھے ' بندش کی چستی ' لطف دوبالا کرتي ھے -

انعام‌الله خاں یقین ' - میر محمد باقر حزیں - خواجہ اُحسن الله بیان - بساون لعل بیدار - ھیمت قلی خاں حسرت - محمد فقیہ درد مند - مشہور تلامذہ تھے - مرتب گل رعنا نے ان کے شاگردوں میں " یکرنگ " کا نام بھي لیا ھے --

اُن کے علاوہ بھي ' بعض شاگردوں کا نام لیا جاتا ھے - بقول بعض تذکرہ نویس ' ان کي تصانیف کے سلسلے میں " خریطۂ جواھر " شعراے فارسي کے کلام کا انتخاب ' فارسی کا مکمل دیوان ھے -

شاہ شاھد علي صاحب سبز پوش ' متخلص فانی رئیس گورکھپور کا بیان ھے کہ مرزا صاحب کا مکمل دیوان اردو قلمي ' کتب‌خانہ

خانقاہ جونپور میں موجود ہے ، اس کے علاوہ اور کوئی نشان نہیں ملتا -

۱۱ رمضان سنہ ۱۱۱۱ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰ محرم سنہ ۱۱۹۵ ھ میں شہید ہوئے -

---

چلے اب گُل کے ہاتھوں سے لٹا کر کارواں اپنا
نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

یہ حسرت رہ گئی ، کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا ، گُل اپنا ، باغباں اپنا

الم سے یاں تلک روئیں ، کہ آخر ہو گئیں رسوا
ڈبویا ہائے آنکھوں نے مژہ کا خانماں اپنا

جو تونے کی ، سو دشمن بھی نہیں دشمن سے کرتا ہے
غلط تھا ، جانتے تھے تجھ کو جو ہم مہرباں اپنا

مرا جلتا ہے جی ، اس بلبل بیکس کی غربت پر
کہ جس نے آسرے پر گُل کے ، چھوڑا آشیاں اپنا

کوئی آزردہ کرتا ہے سجن اپنے کو ، ہے ظالم
کہ دولت خواہ اپنا "مظہر" اپنا "جانجاں" اپنا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا
لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

لوگ کہتے ہیں موا "مظہر" بیکس افسوس
کیا ہوا اس کو ، کہ اتنا بھی وہ بیمار نہ تھا

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر ، میرزا " مظہر "
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

زخمی تری نگہ کا ، اک پل جیا تو بس کیا
صیاد کی بغل میں ، ٹک دم لیا تو پھر کیا

اس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط ، صبا کے ہات
اس واسطے لگا ہوں چمن کی ہوا کے سات
" مظہر " چھپا کے رکھ ، دل نازک کے تئیں مرے
یہ شیشہ بھیجنا ہے کسی میرزا کے ہات

سب یہ کہتے ہیں مر گیا " مظہر "
فی الحقیقت میں ، گھر گیا " مظہر "

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں ، کیا مفت جاتی ہے بہار
ہم گنہگاروں کو ، اب کیا کام ہے گلشن میں ، لیک
جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں ، آتی ہے بہار

اتنی فرصت دے ، کہ رخصت ہو لیں ، اے صیاد ! ہم
مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آزاد ہم

گر، گل کو گل کہوں، تو ترے رو کو کیا کہوں ؟
بولوں نگہہ کو تیغ، تو ابرو کو کیا کہوں ؟

توفیق دے، کہ شور سے اک دم، وہ چپ رہے
آخر، یہ میرا دل ہے، الٰہی! جرس نہیں

مت اختلاط کر، اے نو بہار تو ہم سے
چمن میں ہونے کا اس خاک کو دماغ نہیں
یہ بلبلوں کا، صبا! مشہدمقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو ترا، یہ باغ نہیں

آج مت رنگ حنا سے کف پا، لال کرو
اے بتاں اس دل پر خون کو، پامال کرو

کسی کے خون کا پیاسا، کسی کی جان کا دشمن
نہایت ملیح لگایا ہے صنم نے بیڑہ پان کو

آتش کہو، شرارہ کہو، کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

الٰہی! مت کسو کے پیش، رنج انتظار آوے
ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

تجلی، گر تری، پست و بلند اُن کو نہ دکھلاتی
فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی
حنا، تیرے کف پا کو، نہ اس شوخی سے سہلاتی
یہ آنکھیں، کیوں لہو روتیں اُنہوں کی نیند، کیوں جاتی ؟
الٰہی ! درد و غم کی سر زمیں کا، حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینھ نہ برساتی

— —

یہ دل، کب عشق کے قابل رہا ہے ؟
کہاں ! اس کو دماغ اور دل رہا ہے
نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھ کو، وہ دماغ و دل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی، اک شہر میں قاتل رہا ہے

——

خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل یہیں تک تھی، ہماری زندگانی

——

اگر ملے تو رخصت ہے، نہ ملے تو قیامت ہے
غرض، نازک مزاجوں کی محبت سخت، آفت ہے

——

حسرت

میر محمد حیات نام، عظیم‌آباد وطن تھا، ہیبت قلی خاں
کے لقب سے مشہور تھے -

نواب سراج‌الدولہ ، ناظم بنگالہ کی سرکار میں داروغہ تھے ، لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی میں شہرت رکھتے تھے ، اُردو شاعری کو ترقی دیتے ، اور سلیس بنانے میں اُن کا نام بھی مشہور ہے بعض جگہہ اُن کے کلام میں تعقید ہے - مرزا مظہر جانِ جاناں کے شاگرد تھے [ا] -

کیا پہلے عزیز اتنا ، کرایا آنکھ سے آخر
قیامت دور لےجا کر ، مجھے اے سر و قد پٹکا

عشق پوشیدہ ، نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
چاک دل ، چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

طلب نہیں مجھے ، حسرت ، یقیں سے دل کا کام
کہ عہد ہے مجھے ، دیدار کی گدائی کا
ہزار حیف نہ سمجھا تو ، رسم دلداری
رہا ہمیشہ ، تجھے ذوق دلربائی کا

مہربانی سے تو گھر کس کے نہ آیا تنہا
اک ہمیں نے ترا سایہ بھی نہ پایا تنہا

[ا] مظہر کے شاگرد ہونے کی وجہ سے اُن کا نام دہلی کے شعرا کے سلسلے میں لکھا گیا ورنہ لب و لہجہ ، بعض خصوصیات زبان و ترکیب کے اعتبار سے اُن کو دہلی کی شاعری سے کوئی نسبت نہیں - مرتب -

رات اُس خانہ برانداز نے ، بزم اپنی سے
اور سب بیٹھے رہے مجھ کو اُٹھانا تھا

سیر رکھتا ہے ہمارا شیوۂ دیوانگی
عشق نے ، داغ جنوں سے ہم کو گلدستہ کیا
عالم بالا سے ، حسرت ! پہنچتے ہے فیض سخن
فکر قد نے اُس کی ، اپنا شعر برجستہ کیا

ترے سلوکوں سے ، دل اب تو سیر ہے جاں سے
فریب لطف کا ، ہرگز نہیں میں کھانے کا

نظروں میں اُس کی ہیں ، کس کے لب خنداں " حسرت "
کیا بلا جوش میں ، یہ دیدۂ گریاں ہے آج !

دلدار کا وصال ، میسر ہو یا نہ ہو
مشتاق کو ہے شام و سحر ، انتظار فرض

خواری نے مجھے عشق کی ، جینے سے کیا سیر
جی جائے کہیں ! تاکہ مٹے یہ خلش دل

میں تیرے قول کا قائل ہوں ، ناصح مشفق !
ولے قرار دل بے قرار ، ہے مشکل

نسبت رکھے ہے اُس سے جفا ، اور جفا سے ہم
نالاں رہے ہے ہم سے وفا ، اور وفا سے ہم
ہم خاک کوے یار رکھیں ہیں ، وہ بوے گل
سودا کرے ہے ہم سے صبا ، اور صبا سے ہم
اس کی امید وصل میں ، از بس ہے ناقبول
ہے ہم سے شرمسار دعا ، اور دعا سے ہم

برہمن ہونے کو آتا ہے ، مٹتا سچ آج کون ؟
ہو رہی ہے ہر طرف ، "حسرت" صنم خانے میں دھوم

کب تلک دیکھیں تجھے دور سے ، حیراں ہیں ہم
کیا کوئی حسن کی دولت کے ، نگہباں ہیں ہم
کون دیوانۂ بد مست کسی ، رمزیں پاوے
حسرت اس چشم سخن گو کے ، زباں داں ہیں ہم

تپا کرتا ہے دل ہر لحظہ ، لب پر رہتی ہیں آہیں
نگاہیں تھک گئیں ، تکتے ہی تکتے یار کی راہیں

ہم سے وحشت ، اسے کیا کہتے ہیں ؟
سب سے الفت ، اسے کیا کہتے ہیں ؟
لی اُٹھا ، چشم مروت ہم نے !
بے مروت ! اسے کیا کہتے ہیں ؟

اس کے دل میں ' کبھی تاثیر نہ کی
اے محبت ! اسے کیا کہتے ہیں

یاں بھی آ آ کر ستاتی ہیں ' ملامت گر مجھے
چھوڑ کر جاؤں میں یا رب ! کنج تنہائی کہاں ؟

میں جدائی میں بھی ' دلدار سے مہجور نہیں
دل میں بستا ہے وہ ' آنکھوں سے مری ' دور نہیں

ہاتھ سے اپنے نہ دے ' وصل کی فرصت راحت
پھر خدا جانے ' کہ ہم ہوویں کہاں ' یار کہاں ؟

گرچہ ہیں غواص دریائے سخن ' "حسرت " ! سبھی
ہر قلم کو ' دست گاہ گوہر افشانی نہیں

توقع ' عشق میں ' کس سے رکھوں میں دوست داری کی
ہماری ہمدمی ہے ' بار خاطر آہ و افغاں کو

کم نگاہی سے ' کم اِدھر دیکھو دیکھتے ہو تو ' بھر نظر دیکھو

دل مرا لے کے ' میاں ! جان طلب کرتے ہو
لوٹ تم نے تو مچائی ہے ' غضب کرتے ہو

جسو ہوتا محرم راز رموز عاشقی ' " حسرت "
وہ ان طرزوں کو کیا جانے ' وہ یہ انداز کیا سمجھے

مقید زلف کا ہوں ' اُس کے رخ سے مجھ کو کیا نسبت ؟
ہوائے سیر گلشن کو ' اسیر دام کیا جانے ؟

میری بات سنتا ہے اس طور سے
کہ کہتا ہوں گویا کسي اور سے

سر مرا خاک ہوا ' راہ وفا میں آخر
شکر ! ضایع تو مری ناصیہ سائي نہ گئي

عاشق زار کي عرض ' اے شہ خوباں سن لے
دل پسر درد کا آزار برا ہوتا ہے

بلا کش عشق کے ' اجر وفاداري کے طالب ہیں
بتوں کو ' حسن توفیق جفا کاري ' خدا دیوے

اے دل ! نہیں سینے میں ' قرار اب تجھے اک دم
پھر کس سے ؟ تری ' خانہ‌خراب آنکھ لگي ہے

بھرا ہے دل ، مژہ اشک بار ہے اب کے
اماں ہے ، گریہ بے اختیار ہے اب کے

عشق میں ، خواب کا خیال کسے ؟
نہ لگی آنکھ ، جب سے آنکھ لگی
یار آتا ، نظر نہیں آتا
ہے اُدھر میری جب سے آنکھ لگی

حسد سے ہم صفیروں کے چمن ہے تنگ اب ہم پر
دعا تک میری ، اے باد صبا ! صیاد کو پہونچے

جو دلدار اپنا ، کوئی اور ٹھہرے
محبت میں ، کچھ زیست کا طور ٹھہرے

تمہیں اے مے کشو ! ہو نوش جاں پیمانۂ عشرت
لبالب خون دل سے ، ہم تو اپنا جام کر بیٹھے

ایک پر خوں ، ایک ہے پر اشک ، تیرے ہجر میں
یعنی چشم و دل کا پیمانہ ، یہاں لبریز ہے

عشق کی ، عاشق و معشوق میں نسبت نہیں ایک
طرزِ سوزش ہے جدا ، شمع سے پروانے کی

دشوار پڑا سخت، تیرے کوچے تک آنا
ہر روز مری راہ میں، اک سنگ نیا ہے

موحد بھی نہیں ہوتے ہیں ملکر، بت پرستی کے
بنایا جس نے تجھ سا بت، میں اُس اللہ کے صدقے

یہ دوستی، یہ مروت، یہ غم گساری ہے
کہ ناخوشی میں ہماری، خوشی تمہاری ہے

اتنا نومید نہ ہو، دل کو خوشی رکھ، "حسرت"!
صبر کر، دیکھ تو کیا ہوتا ہے ہوتے ہوتے

یقین

انعام اللہ خاں یقین، مرزا مظہر کے خاص شاگردوں میں تھے - ۲۵ برس کے سن میں انتقال کیا، لیکن اس عمر میں بھی طبیعت قیامت تھی، اپنے زور طبیعت کے سامنے کسی کی حقیقت نہ سمجھتے تھے، میر تقی میر کی یہ رائے صحیح نہیں کہ "ذائقہ سخن فہمی نہ دارد" -

ان کے کلام کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ "مرتبہ استادی" میں کسی سے کم نہیں، کلام میں سلاست اور گداز ہے، مختصر الفاظ میں مضمون آفرینی کی شان نمایاں ہے - دیوان شایع ہو گیا ہے -

سرِ پُر حاصلت سے، آستانِ یار بہتر تھا
ہمیں ظلِ ہما سے، سایۂ دیوار بہتر تھا
مجھے زنجیر کرنا، کیا مناسب تھا بہاراں میں
کہ گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میرے خار بہتر تھا

"یقیں"! امید جینے کی نہیں تیری اُن آنکھوں سے
اگر پرہیز سو کرتا، تو یوں بیمار کیوں ہوتا؟

شکوہ حسن سے آنسو ہمارے سوکھ جاتے ہیں
"یقیں"! سورج کے آگے کب اثر رہتا ہے شبنم کا؟

رہا میں بے خبر، افسوس، لذت سے اسیری کی
جو میں یہ جانتا، کنجِ قفس میں آشیاں کرتا
کیا مجھ کو "یقیں"! اُس ناتوانی نے خجل، ورنہ
گلی کو یار کی، اپنے لہو سے گلستاں کرتا

اُس گل سے کچھ حجاب، ہمیں درمیاں نہ تھا
جس دن کہ یہ بہار نہ تھی، گلستاں نہ تھا

یہ کوہ طور، سرمہ ہوگیا سارا ہی، کیا کہیے
کوئی پتھر بھی بچ رہتا، تو دیوانے کے کام آتا

نہیں معلوم، اب کے سال، مے خانے پہ کیا گذرا
ہمارے توبہ کر لینے سے، پیمانے پہ کیا گذرا
مجھے زنجیر کر رکھا ہے، ان شہری غزالوں نے
نہیں معلوم، میرے بعد ویرانے پہ کیا گذرا
برہمن سر کو اپنے پیٹتا تھا، دیر کے آگے
خدا جانے، تری صورت سے بت خانے پہ کیا گذرا

ہیں زخم مرے کاری، اس سینے سے کیا ہوگا؟
اب مرنا ہی بہتر ہے، اس جینے سے کیا ہوگا؟

پاؤں کو اپنے "یقیں" کی چشم گریاں پر، نہ رکھ
مت کر، اے گل، آپ جو میں دامن رنگیں خراب

تری آنکھوں کی کیفیت کو، میخانے سے کیا نسبت؟
نگہ کی گردشوں کو، دور پیمانہ سے کیا نسبت؟
یہ جیوے ہجر میں، وہ وصل میں بھی جی نہیں سکتا
تکلف برطرف! بلبل کو پروانے سے کیا نسبت؟

تصور کرکے لیٹا ہوں مزہ میں اُس کی باتوں کا
مرے اِس چپکے رہنے کا ہے، وہ شیریں دہن باعث
محبت کا نہیں ہے ظلم بھی، خالی عدالت سے
ہوا پرویز کے جینے کا، مرگ کوہ کن باعث

رنگ گل کی آگ پر ، دامن نہ مار اے باد صبح
کیا کریں گی بلبلیں ، پھر آشیانے کا علاج
شیشۂ دل کے تئیں اپنے ، سنبھال رکھ "یقیں"
پھر کرے گا کون ، اس کے پھوٹ جانے کا علاج

فصل گل بھی آن پہنچی ، دیکھیے کیا ہو "یقیں" !
اب کے چلتا ہے جنوں پر ، جی ہمارا بے طرح

باغباں بے رحم اور دربند ، دیواریں بلند
بلبل بے بال و پر ، گلشن میں جاوے کس طرح

کرے ہے آئینہ ، بے طرح نکتہ چینی حسن
نہ کر تو اِس کو ، اب اتنا بھی روبرو گستاخ
ترے ادب سے ، جنوں کو گیا ہوں ایسا بھول
کہ ہاتھ جیب سے گویا نہ تھا کبھو گستاخ

پھڑک کر جی نکل جاوے گا ، بلبل کی طرح میرا
کھلا بند گریباں کو نہ رکھ اے گل بدن بس کر

بہار آخر ہوئی ہے ، اب تو سینے دے گریباں کو
"یقیں" ! کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن ، بس کر

ایک شب، تو یار کے کوچے میں رہنے دے ہمیں
اس قدر بھی پاسباں! بے خانمانوں کو نہ چھیڑ

آپ سے ہم نے مقرر کی ہے، اپنی جا، قفس
ورنہ تک پھڑکیں، تو ہو جاویں تہ و بالا قفس

جنوں کے ہاتھ سے محفوظ اک دم رہ نہیں سکتا
رفو کرنا "یقیں"! میرے گریباں کے نہیں لائق

کیوں عبث سیتا ہے ناصح! تو "یقیں" کا چاک جیب
ہاتھ اس کا چھوڑتا ہے کب، گریباں کا خیال

ہمارے درد کی دارو، اگرچہ ہے تو دارو ہے
یہ سب کچھ سن کے ساقی! بات پی جانے کا کیا حاصل؟

بہ مقدار جفائے یار، بڑھتی ہے وفا میری
کوئی چاہے تو آ دیکھے محبت اس کو کہتے ہیں

درد بن، ہم کو کچھ اس آگ سے مقصود نہیں
عشق پھیکا ہے اگر داغ نمک سود نہیں

هم تو حاضر هیں، عشق یار کہاں
خار و خس جمع هیں، شرار کہاں

کرتا ہے کوئي یارو، اس وقت میں تدبیریں
سوتا ہے یہ دیوانہ، اب کھول دو زنجیریں

گلي میں عشق کي، دل بھول جاپڑا تها "یقیں"!
پھر ان دنوں سے دوانے کا کچھ سراغ نہیں

عمر آخر ہے، جلوں کر لوں، بہاراں پھر کہاں
هاتھ مت پکڑو مرا یارو! گریباں پھر کہاں
ہے بہشتوں میں "یقیں"! سب کچھ ولیکن درد نہ
پھر کے دل رو لیجئے، یہ چشم گریاں پھر کہاں

کوئي دن اور کرنے دو جنوں، مجھ کو بہاراں میں
عبث سیتے ہو اس کو، کیا رہا ہے اس گریباں میں

رہائے عقل سے، کچھ چھوٹنے کی راہ نہیں
بغیر مے کدہ، یارو کہیں پناہ نہیں

یہاں خدا کی خدائي کے سب مظاهر میں
جو ان کا بندہ ہوا ہے تو کچھ گناہ نہیں

اسیران قفس کی نا امیدی پر ' نظر کیجو
بہار آوے ' تو اے صیاد ! مت ہم کو خبر کیجو
کہا جاتا نہیں مجھ سے ' جو کچھ تیں کہہ سکے کہیو
مری اس بے زبانی پر نظر ' اے نامہ بر کیجو

جفا کے عذر میں ' اے ظالمو نہ دیر کرو
مری زباں کو ' شکایت پہ مت دلیر کرو

یہ محراب نماز بے خودی ہے زاہداں ! سمجھو
خدا کے واسطے ' مستوں کے پیمانے کو مت چھیڑو

عمر میں ' تیں نے تو دیکھی ہے ' بہت غم خواری
اب تو اے چرخ ! تک اک اس دل ناشاد کو دیکھ

جو نہ جی سکتے ہوں بے تابی سے پھر ' وہ کیا کریں
جی نکل جانے میں کیا ہے بے قراروں کا گناہ

کسو کا دست کوتہ ' اس کے دامن تک کہاں پہونچے
تمنا کی زباں ' مت کر دراز اے بوالہوس چپ رہ

کیا دھوم مچائی ہے ' صحرا میں دوانوں نے
اس فصل مبارک میں ' آباد ہے ویرانہ

بدلے ترے ستم کا ، کوئی تجھ سے کیا کرے ؟
اپنا ہی تجھ فریفتہ ہووے ، خدا کرے
قاتل ہماری لاش کی ، تشہیر ہے ضرور
آئندہ ، تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

اس اشک و آہ سے مجھ کو ، ہوا [۱] یہی معلوم
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے ، کچھ جلا بھی ہے

حق ، مجھے باطل آشنا نہ کرے
میں بتوں سے پھروں ، خدا نہ کرے
ناصحو ! یہ بھی کچھ نصیحت ہے
کہ " یقیں " یار سے وفا نہ کرے

اپنے بندوں کو جلا کر خاک کرتے ہیں ، " یقیں " !
اِن بتوں کی ضد سے ہوجاؤں مسلماں تو سہی

چلا آگے سے جب کشتی میں ، وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے

نوٹ - [۱] مصحفی نے اپنے تذکرے میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے :-
اس اشک و آہ سے سودا بگڑ گیا جانے کہیں " - مرتب ۔

بہار آئی ، بجاؤ عندلیباں ساز عشرت کے
گئیں حسرت کی وہ راتیں گئے وہ دن مصیبت کے

دوانا ہوں میں ، جی دینے میں مجنوں کے سلیقے کا
مزا لے لے کے ، مرنے کی طرح ، فرہاد کیا جانے

اجل نہ چھوڑے گی آخر ، "یقیں" کو لازم ہے
کہ اپنے سر کو ، ترے پاؤں پر نثار کرے

اگر اس کی جگہہ ، پہلو میں ہوتا خار ، بہتر تھا
بہت دیتا ہے میرا دل مجھے آزار ، کیا کہیے

بے قراری کب ٹھہرنے دے ہے مجھ کو ، زیر تیغ
مارنا سیماب کا مشکل ہے ، قاتل کیا کرے

نہ دے فرصت کہ ان ہاتھوں سے کچھ کام اور ہی نکلے
ہم آخر ہوں گے دامن گیر اس چاک گریباں کے

عجب سج سے کیا ہے قتل مجھ کو ، کوئی مت ٹوکو
طلب کرتا ہے ایسے قاتلوں سے خوں بہا کوئی

نہ نکلا صبر سے کچھ کام اب فریاد کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید، مری فریاد کو پہونچے

اگر زنجیر میرے پاؤں میں ڈالی، تو کیا ہوگا
بہار آتے ہی میرے ہاتھ ہیں، اور یہ گریباں ہے

گریباں چاک کرنے سے کسو کے، کیا تجھے ناصح؟
ہمارا ہاتھ جانے، ؤ، ہمارا پیرہن جانے

علت کب آزاد کرتی ہے، گرفتاری مجھے
جان آخر لے کے چھوڑے گی، یہ بیماری مجھے

عاشق جو رہے جیتا، معشوق کے کام آوے
کیا لطف ہے جل جانا پروانے کو کیا کہیے

سبزے میں "یقیں" ! آہو کیا حور سے پھرتے ہیں
فردوس نہ کہیے تو ویرانے کو کیا کہیے [۱]

بیان

(خواجہ) احسن‌اللہ نام، آباء و اجداد کا وطن اکبرآباد تھا،
دہلی میں پیدا ہوئے، آخر عمر میں حیدرآباد گئے اور وہیں

---

[۱] گل رعنا -

زندگی بسر کی ' وفات بھی وہیں ہوئی ۔ خلیق ' پاکیزہ مزاج ' ظریف الطبع ' کثیرالاحباب اور متواضع تھے ' شاعری کے فنون پر عبور تھا -

کلام میں سادگی ' سادگی میں لذت اور کشش ہے ' جابجا نمکینی دل کے زخم پر نمک پاشی کرتی ہے ' محاورات کی بندش چست اور بے ساختہ ہوتی ہے - مرزا مظہر کے شاگرد تھے ' رائے گلاب چند ' ان کے مشہور شاگرد ہیں ان کا قلمی دیوان انڈیا آفس میں موجود ہے سنہ ۱۲۱۳ھ میں وفات پائی [۱] -

مت سمجھہ بے حواس ' اے ہمدم
شکوۂ ہجر ' میں جو سر نہ کیا
گو کہ خسرو نے ' سو بنائے قصر
دل میں شیریں کے ' ایک گھر نہ کیا
کیا مہار اُس کے دل میں تھا ' کہ "یقیں" !
خاک پر بھی مری ' گذر نہ کیا

اس راہ عاشقی میں چلنا اسے روا ہے
سر اول قدم پر ' جو شخص کھو سکے گا
تقلید کر "یقیں" کی رویا تو بوالہوس بھی
پر سختی دل ' مژہ میں کیونکر پرو سکے گا

---

[۱] تذکرۂ مصحفی - دیوان یقیں -

قفس میں، میں رہائی کے لیے کیا کیا نہیں کرتا
پھڑکتا ہوں، تڑپتا ہوں، کوئی پروا نہیں کرتا

سیرت کے ہم غلام ہیں، صورت ہوئی تو کیا
سرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

بے حساب دوستاں درد دل، مثل مشہور ہے
پر عجب ہیں دوست، جو دل میں بھی کرتے ہیں حساب
خان و ماں کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو، لیکن "یہاں"
اب بھی در ہے، یہی گھر، خانۂ الفت خراب

تو بزم سے اٹھا، کہ ہوئی تلخ مے کشی
میں سچ کہوں، شراب کو سمجھا حرام آج

خدا کے واسطے مت کہیو پھر کہ مے، کم ہے
کہ اس کے ساتھ ہی ساقی خمار ہے موجود

حال غربت میں، دیکھئے کیا ہو؟
رہ خطرناک اور منزل دور
گو کہ ہے یار تو، بہ دل نزدیک
سیکڑوں کوس مجھ سے ہے دل، دور

جز خدا ، آشنا نہیں کوئی
کشتی ٹوٹی ہے اور ساحل دور

هم سرگذشت کیا کہیں اپنی که مثل خار
پامال ہوگئے ترے دامن سے چھوٹ کر

جھانک ، تک باغ دل میں اپنے '' بہار ''
اس چمن میں بھی ، کم بہار نہیں

چراغ صبح ہوں ، یا آفتاب وقت آخر ہوں
کوئی ساعت کا مہماں ہوں ، کوئی دم کا مسافر ہوں
تمنا بادشاہی کی ، کسی سفلے کو ہووے گی
مرے دل میں خدائی کا بھی خطرہ ہو تو کافر ہوں

صد حیف که دریا کے کنارے ہوں تشنه
خم پاس اور افسوس که مجبور پڑا ہوں

کہتا ہے کون ، ہجر مجھے صبح و شام ہو
پر وصل میں بھی لطف نہیں ، جو مدام ہو

بوسے کے نام ہی په ، لگے کاٹنے زباں
کتنی عمل سے آگے مکافات بڑھ گئی

کوئی ایسا ' جہاں میں نکلے
کہ درست ' امتحان میں نکلے
سو برس میں ' نہ نکلے دل کی خلش
اور نکلی ' تو اُن میں نکلے
کچھ یہ لازم نہیں ' کہ جنس عزیز
مصر ہی کی دکان میں نکلے

رسوا نہ کر ' خدا سے ڈر اے چشم تر مجھے
آنا ہے اُس کی بزم میں ' بار دگر مجھے
میں سست گام ' قافلۂ عمر تیز رو
تنہا نہ چھوڑ جائیں نہیں ' ہم سفر مجھے
ساقی تری نگاہ کے صدقے ' میں ' ایک بار
دونوں جہاں کی فکر سے کر ' بے خبر مجھے
چھلنا ستم کرے وہ اُنہاؤں کا میں "بہار"
دل کے عوض بھی ' حق نے دیا ہے جگر مجھے

جادو تھی ' سحر تھی ' بلا تھی
ظالم ! یہ تری نگاہ ' کیا تھی ؟
مارا ہے "بہار" کو جس نے ' اے شوخ !
کیا جانئے ؟ کون سی ادا تھی

کون کہتا ہے ' چاہ مشکل ہے
چاہ آساں ' نباہ مشکل ہے

صلح اور جنگ، تجھ کو سب آساں
مجھ کو ہر طرح، آہ مشکل ہے

مبارک ماہ کنعاں! اے زلیخا چشم ما روشن
بس اتنی بات، کھلے مصر میں یعقوب جاتا ہے

سلگتی ہے اِک آگ، مدت سے یاں
اس آتش کی گرمی، کدھر جائے گی
جو ہم بن، تمہاری، گزرتی ہے خوش
ہماری بھی، تم بن گزر جائے گی

میں جانتا تھا، وصل کی شب بھی دراز ہے
آنکھیں جو کُھل گئیں، تو در صبح باز ہے

اسی امید و بیم میں گذری
گلہ کی اُن نے مہر، گلہ نہ کی

ہے کدھر قیس، کہاں ہے فرہاد
عشق سے، نام چلا جاتا ہے

مری ناؤ پہونچی ہے ، آ ، ماجھ دھار
تری اک توجہ سے ، بس پار ہے

بہار آئی ہے اے ناصح ! ہمیں بے باک رہنے دے
ہمارے طور پر ہم کو ، گریباں چاک رہنے دے

یا ہوجیئے افلاطوں ، یا عقل کو دھو مجنوں
دنیا میں بہر مضموں ، اک نام تو کچھ کرئے
آیا وہ مہ تاباں ، جاں ہم نے کری قرباں
جب آوے کوئی مہماں ، ادرام تو کچھ کرئے

پائے طلب ، بیٹھ کے کھیلتیوں کہاں
خانہ نشینی کو بھی ، کھر چاھئے
دل تجھے ، جیسا کہ خدا نے دیا
مجھ کو بھی ، ویسا ہی جگر چاھئے

شب فراق کی دہشت سے ، جان جاتی ہے
یہی ہے صبح سے دھڑکا ، کہ رات آتی ہے

کہا تھا سارباں کے کان میں ، لیلٰے نے آہستہ
کہ مجنوں کی خرابی کا ، کہیں مذکور مت کیجو [۱]

---

[۱] انتخاب حسرت - تذکرۂ مصحفی نکات الشعرا -

تاباں

میر عبدالحئی نام ' دھلی کے رھنے والے ' حضرت موسیٰ علی رضا کی اولاد میں تھے - بہت خوبصورت تھے ' ابتدائے جوانی میں انتقال کیا ' صاحب دیوان ھیں - سلاست کے ساتھ اشعار میں زبان کے چٹخارے بھی موجود ھیں - عناصر سوز و گداز اور اثر کا پتا مشکل سے چلتا ھے - مرزا صاحب کے شاگرد تھے ' شفیق نے حاتم کا اور میر نے حشمت کا شاگرد لکھا ھے ان کا ایک قلمی دیوان کتب خانہ ' الاصلاح دسنہ ' ضلع پٹنہ میں موجود ھے ' دیوان چھپ بھی گیا ھے -

---

آشنا ھو چکا ھوں میں سب کا
جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا

بھلے برے کی ترے عشق میں اُڑا دی شرم
ھمارے حق میں کوئی کچھ کہو ' ھوا سو ھوا

جو کہ عاشق ھو میں کہتا ھوں اُسے ' ابوے سیکھ
شمع جلنے سے کی ' پروانے سے مرنے کی طرح

کیا قتل اُن نے مجھ کو ' غیر سے مل
ھوا دشمن جدا خوش ' وہ جدا خوش

بے وفاؤں سے ، جی میں ہے " تاباں "
اور سب کچھ کروں وفا نہ کروں

گو تو ناخوش ہے ، مرے شور جنوں سے ناصح
کر مجھے شہر بدر لائق زنداں تو نہیں

اب ہم ، دنوں کو اپنے نہ روویں تو کیا کریں
کرتے تھے جن میں عیش وہ ایام ہی نہیں

ان جان ہو تو اُس سے کوئی درد دل کہے
جو جانتا ہو اس کو میں آگاہ کیا کروں

برستا ہے ملہہ ، میں ترستا ہوں مے کو
غضب ہے یہ ، باران رحمت نہیں ہے

مجھے اُن دنوں سخت دیوانہ پن ہے
کدھر کو ہے مجلوں ، کدھر کوہ کن ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے
تمنا تری ٹھوکروں کی ہے لیکن
رکھوں پاؤں پر سر ، یہ جرات کہاں ہے

ممکن نہیں کہ ان سے کبھو دل مرا پھرے
گو ان بتوں کے عشق میں ناصح خدا پھرے
شور جنوں کا سرد ہے بازار، ان دنوں
آوے بہار جلد، الٰہی ہوا پھرے [۱]

شاعر

میر کلو نام، میر درد کے عزیز اور مرزا مظہر کے شاگرد تھے [۱] تفصیلی حالات معلوم نہ ہوسکے -

مرزا مظہر کے شاگردوں کا جو رنگ ہے ان کے کلام میں بھی موجود ہے -

ہر بوالہوس سے مل کر اے "عشق"! مت سبک ہو
ہے کام عاشقوں کا، تجھ سے نباہ کرنا

بھول کر بھی ادھر نگاہ نہ کی
کہہ! ترا اس میں کیا ضرر ہوتا

دشمن ایمان و جان و طاقت و آرام ہے
یہ بتاں کا حسن اور یہ جوش ایام شباب

---

[۱] گلشن ہند - خمخانۂ جاوید - مخزن نکات - تذکرۂ مصحفی -

دیوانہ ہے ' جلوں سے کہیں مر نہ جائے دل
نام بہار روبرو اُس کے نہ لو عبث

رونے میں دم کے رکنے کی گر ہے یہی طرح
تو جوش غم سے ہم نہیں بچتے کسی طرح

کس سے جاکر کروں تری فریاد
توھی دے آپ اپنے ظلم کی داد

ہے روشنی کو بس ' دل سوزاں مرا مجھے
تربت پہ میری لائے کوئی یا نہ لائے شمع

یاں تک تو عزیز تھا ترا غم لے گور میں بھی اسے گئے ہم

کوئی ہو کعبے میں خوش ' کوئی دیر میں محظوظ
ہمیں تو ایک دن اس بن کہیں قرار نہیں

کیوں نہ ہووے بہار آنکھوں میں
ہے مرا گل عذار آنکھوں میں

کیا کیا اثر دئے ہیں بتوں کی نگاہ کو
یارب عطا ہو کچھ تو ہماری بھی آہ کو

کروں میں جوش جنوں ضبط کس طرح یارو
کہ آہ سینے میں میرے نہیں سماتی ہے

کیا کام ہے تنک تو ٹھہر ظالم
کیوں پا بہ رکاب ہو رہا ہے [۱]

ضیا

(میر) ضیاءالدین نام ، دہلی کے رہنے والے تھے ، آخر میں عظیم آباد کو مسکن بنا لیا تھا متواضع اور درد بھرا دل رکھتے تھے ، میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شعر سوز و گداز سے بھرا ہوا سنتے تھے ان کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آتے تھے -

غزلیں درد کا مرقع ہوتی ہیں ، سادگی بیان میں دل نشیں انداز ہے رباعیوں میں بھی گداز ہے -

میر حسن - راجہ شتاب رائے (ساکن عظیم آباد) کے بیٹے ان کے شاگردوں میں مشہور ہیں - سنہ ۱۱۹۷ھ میں وفات پائی -

---

[۱] خطاطۂ جاوید - تذکرۂ میر حسن -

جمع کرکے درد سارے ، تونے پیدا دل کیا
کہہ تو اے دست قضا ! پھر اس سے کیا حاصل کیا ؟
کیا مزے سے جی نکلتا جو وہ تک پھر دیکھتا
کام آساں مجھ پہ قاتل نے مرے ، مشکل کیا

باؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا
آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا
کل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے ننگ خلق ؟
اس کے کوچے میں "ضیا" تو آج پھر جانے لگا

برس اے ابر جتنا چاہے تو ، اب تیری باری ہے
کبھی دل تھا تو میں بھی رو رو ، اک دریا بہاتا تھا

کیوں گریباں دم بہ دم کرتا ہے اپنا ، چاک تو
ہاتھ سے تیرے "ضیا" ! کس گل کا دامن چھٹ گیا

ہر طرف زخم زخم تھا ، ہر سو سے داغ تھا
دل بھی "ضیا" ! ہمارا کبھی رشک باغ تھا

کیا کہا قاصد ؟ "ضیا" سنتے ہی جس کے مر گیا
بات تھی کچھ یاس کی یا ہجر کا پیغام تھا

اِہ کرتے دھک گئے ھیں ہم کیا شتابی بھوک گئے ھیں ہم
آپ کو آپ میں نہیں پاتے آہ کیدھر بھک گئے ھیں ہم

جیسے دو ہم درد آپس میں کریں غم خوار کی
دل ھمارا درد اپنا ' دل کا غم کھاتے ھیں ہم

جان کر زلف ' دل ! نہ دھس اس میں
دام ہے دیکھ تو نہ پھس اس میں
دل تو غنچہ ' جھڑ پڑا افسوس
رہ گئی کھلنے کی ھوس اس میں

پڑے برق تجلی ایسی ازلی لن‌ترانی پر
کہ موسیٰ ھووے بے خود اور ھو دیدار پتھر کو

کبھی جا گل کو دیکھے ہے ' کبھی دیکھے ہے نرگس کو
خدا جانے یہ چشم اپنی ' پھرے ہے ڈھونڈتی کس کو

آھوں سے سلگوں کب تک ؟ اے شعلہ تو بھوک اُٹھ !
بجلی کی طرح مجھ پر ' اک بارگی کڑک اُٹھ

آھستہ پانو رکھیو اے بوئے گل چمن پر
سوتے ھیں اس زمیں میں ' نازک دماغ کتنے

تربت "ضیا" کی دیکھی ، کل رات دور سے میں
آئے مجھے نظر واں ، شمع و چراغ کتنے

سب اُمید اپنی کر حصول ، گئے
اک ترے در سے ہم ملول گئے
بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا
ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

برعکس وضعیں آتوس ، اُس کے نباہنے کی
شاید یہی ہے تاثیر اس دل کے چاہنے کی
جلدی "ضیا" خبر لے ، آتی ہے تجھ جگر سے
آواز ناتواں سی ، دل کے کراہنے کی

تک آہ بھی نکل ، نہ کہیں دل تہلک پڑے
یہ جام بھر رہا ہے مبادا چھلک پڑے
ترے "ضیا" کا حال ، میں پوچھا تھا شمع سے
اک آہ اُس نے کھینچی اور آنسو ڈھلک پڑے

کسی کا نام لے ، کوئی عشق اپنا یاد کرتا ہے
مروں ہوں بدگمانی سے کہ شاید تجھ پہ مرتا ہے

کیا جور؟ کیا تعدی؟ جو کچھ کرو بجا ہے
بدلا ہے دل دہی کا، اس کی یہی سزا ہے

یہ آرزو "ضیا" کے دل کی، یہاں! خدا دے
تم اُس کو گالیاں دو اور وہ تمہیں دعا دے

اک تبسم میں کیا خلق کو ساری تسخیر
مسکرانا ہے ترا یا کہ کوئی افسوں ہے

کون سے زخم کا، کھلا ٹانکا   آج پھر دل میں درد ہوتا ہے

نہیں کھلنے کی اُمید ہی، نہیں بو کی آس ہے
غنچہ ہوں دل کا، مجھ میں فقط داغِ یاس ہے
تم تو ہمارے پاس سے جاؤگے کل، یہ ہائے
اپنی نظر میں، آج جہاں سب اُداس ہے

کعبے میں چھپ رہا ہے یا دیر میں نہاں ہے
خانہ خراب! جلدی تو بول اٹھ کہاں ہے

(رباعی)

کیا عیش و نشاط شادمانی کرتے
کیا ناز و نیاز جاودانی کرتے
گر یار کبھی میں اپنے ہوتا، تو ہم
کیا خوب طرح سے زندگانی کرتے [۱]

احسن

مرزا احسن علی نام، دہلی کے باشندے تھے - نواب شجاع‌الدولہ لکھنؤ کے سرکار میں ملازم تھے غزل اور قصیدے کا خاص رنگ ہے، ان کی غزل میر ضیا کا عکس معلوم ہوتی ہے، اس لئے میر ضیا کے ساتھ دور اول میں ان کا نام شامل کیا گیا - سنہ ۱۱۹۵ھ میں بہ مقام عظیم‌آباد پٹنہ انتقال کیا -

---

اسی لئے تو میں تجھ سے خفا ہوں اے "احسن"
گھڑی گھڑی مرے پاؤں کو چشم تر، نہ لگا

ہجر میں کیوں نہ ہووے آہ و زاری بیش تر
ہے قرار اس دل میں کم اور بے قراری بیش تر
روز ہجراں ہی میں تنہا، کچھ نہیں روتے ہیں ہم
وصل کی راتیں کٹیں یوں ہی ہماری بیش تر

---

[۱] خمخانۂ جاوید - چمنستان شعرا - تذکرۂ مصحفی - گلشن ہند -
ان کے دیوان کا انتخاب پٹنہ سے شائع ہوا ہے - مرتب -

خاک چمن میں، کس کی ملی آرزوے دل
جو غنچہ یاں کھلے ہے تو آتی ہے بوئے دل
جو دل اُدھر گیا سو وہ ماٹی میں مل گیا
تیری گلی میں خاک کریں جستجوے دل

سجدہ گہ ہے خاکِ "احسن" اب تو ساری خلق کی
جان دی تھی اس نے کس کی حسرت پابوس میں

تم غیر کے ہاتھوں سے، واں جام چڑھاتے ہو
یاں حلق میں، لوہو کے سو گھونٹ اُترتے ہیں

چھٹتا ہے کوئی نالہ، ہم سے دم آخر تک
دم جب تئیں ہے دم میں، دم آپ کا بھرتے ہیں

محروم ہم ہوں، محرم اسرار ہو کوئی
خلوت میں ہو کوئی، پس دیوار ہو کوئی
راتوں کو اُس کے کوچے میں جانا تو ہوں ولے
دھڑکے ہے دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی

زخم لگا کے سیکڑوں، کرنے لگا شمار وہ
جو ہوئی سو ہوئی دلا! اب تو سر حساب ہے

نامہ پتنگ کے ہاتھ سے ' آئینہ دیکھنے لگا
اس سے یہ ہم پہ کھل گیا صاف ہمیں جواب ہے

یاد ہے "احسن" ان دنوں ' کن نے ہمیں بھلا دیا
سینے میں دل کو اپنے کچھ خود بہ خود اضطراب ہے

اسی منہ سے تمھیں دعوی ہے خواری ہے اے "احسن"
ہوا ظرف آپ کا معلوم ' دو ہی جام میں بہکے [۱]

عشق

رکن الدین نام ' گھسیٹا عرف تھا - دهلي کے رهنے والے تھے -
شاہ فرهاد مشہور درویش کے نواسے تھے -

شروع جواني میں دهلي سے مرشدآباد گئے تھے ' جب تک
وهاں رهے امراز دنیاوي حاصل تھا ' وهاں سے عظیم آباد آئے تو
ان کے پاس تو کل سرمایہ تھا اور فقر و درویشی طرۂ امتیاز -

تغزل میں تصوف کی چاشنی بھری ہوئی ہے ' انداز بیاں
دل نشیں ' زبان سلیس اور اثر انداز ' ترکیب میں بے ساختگي ہے -

---

[۱] گلشن ہند - تذکرۂ میر حسن -

اس کی لذت کو دل سمجھتا ہے
اُس کو میں کیا کہوں ؟ کہ کیا دیکھا
دشت ! تجھ کو قسم ہے مجنوں کی
"عشق" سا کوئی برھنہ پا دیکھا
اپنی آنکھوں سے دیکھ اے خوش چشم
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھو
اُس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم
خاک میں آپ کو ملا دیکھا

ترا یہ وعدۂ فردا تو دل کو روز فردا ہے
کہاں فرصت ہے اے ناداں ؟ بھروسا ہے کہاں ؟ دم کا

چاک دل تابہ گریباں ، نہ ہوا تھا سو ہوا
لخت دل زینت داماں ؟ نہ ہوا تھا سو ہوا

بات کہنے کی نہیں طاقت ، شکایت کیا کروں
"عشق" رخصت دے تو شور حشر اب برپا کروں

جوں آفتاب تاباں ، گو نام کو یہاں ہوں
یہ پرتوا ہے تیرا تک دیکھ میں کہاں ہوں

باتیں نہ سن تو میری چل جائےگا دوانے
میں برق آسماں ہوں ' یا " عشق " کی زباں ہوں

دیکھے بن اُس کے یک دم ' چین یہ رہتا نہیں
اُس دل کافر کے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم

قدرت

میر قدرت‌اللہ نام ' میر شمس‌الدین فقیر کے عزیز اور شاگرد تھے ' دہلی وطن تھا ' آخر عمر میں مرشدآباد میں سکونت کر لی تھی ' یہاں کے امرا نے ان کی عزت کی ' اس لیے فراغت سے زندگی بسر کی -

اشعار میں اگرچہ سلاست نہیں لیکن پھر بھی روکھے پھیکے معلوم نہیں ہوتے ' حق‌الوسع زبان کا خیال رکھتے ہیں ' غزل گوئی کے نکات اور ضروریات سے واقف ہیں - سنہ ۱۲۰۵ ھ میں وفات پائی [۱] -

---

ہنگامۂ پرہیز و ورع اب بہ سر ایا
اے بادہ کشاں مژدہ کہ پھر ابرتر آیا
کچھ دیر ہوئی ' اشک نہیں آنکھوں سے گرتے
شاید تہِ مژگاں ' کوئی لخت جگر آیا

---

[۱] گل رعنا -

ترے حضور میں ' جب قصد عرض حال کیا
ہجوم گریہ نے ' میری زباں کو لال کیا
میں داغ تازہ میں ' توڑے یہاں تلک ناخن
کہ ایک بدر کا کاسہ ' پُر از ہلال کیا

ٹوٹی کمند ' بخت کا وہ زور رہ گیا
جب بام دوست' ہاتھ سے کچھ دور رہ گیا
اُوپر سے زخم گرچہ ہرے ہو چلے ولے
ناسور تھا جگر میں ' سو ناسور رہ گیا

مدتوں سے رخنۂ دل ' یاں جو نت مسدود تھا
اک ذرا کھولا تو دیکھا خانۂ پر دود تھا
کبریائی کا جو دیکھا میں نے جس جاپر ظہور
اپنی اپنی حد میں جو پشہ تھا اک نمرود

بے تابیوں سے ' بسکہ دل بے تاب رہ گیا
اپنی طپش میں جل کے یہ سیماب رہ گیا
آنسو تھمے ہیں ' پر نہیں سوکھی ہے چشم تر
دریا اُتر گیا ہے ' یہ گرداب رہ گیا

ہم پہ ایام مصیبت ' آج پھر آنے لگا
یار گھر جانے لگا ' اے وائے گھر جانے لگا

جب مسیحا دشمن جاں ہو تو کب ہو زندگی
کون رہ بتلا سکے ' جب خضر بہکانے لگا
کب تلک ' اے نالہ ! زیر لب رہے گا تو گرہ
حوصلہ باقی نہیں بس جی تو گھبرانے لگا

دل ، سدا ، سینے میں جلتا ہی رہا
لخت دل آنکھوں سے نکلتا ہی رہا
تونے گو مجھ کو دلاسے میں رکھا
جی مرا ، تو بھی تو کھلتا ہی رہا

آگے نہ چل سکا ' ترے کوچے کو چھوڑ کر
خورشید ' جا کے تابہ لب بام ' رہ گیا
"قدرت" ! کس آسرے پہ کٹے گی یہ زندگی
آنے سے اب تو نامہ و پیغام رہ گیا

آتش فروز دل ہے ' تا حسن شعلہ رو کا
ہر اشک ہے شرارہ ' ہر آہ ہے بھبھو کا
ڈھونڈھے ہے پاس اب کیا ؟ سینے میں قمریوں کے
مدت سے لٹ چکا یاں ' ساماں آرزو کا
کھٹکے ہوں جان و دل سے ' تیرے خدنگ کا میں
پھر کماں میں ' ہے گا پیاسا مرے لہو کا

تشنہ لب مرتا ہے نت ' موجِ دم شمشیر کا
اے غرور ناز ! کچھ بھی فکر اس سخچیر کا
رنگ خون تشنگاں ' جس جا سے اُڑ سکتا نہیں
ہوں اسیر ناتواں اُس خاک دامن گیر کا

گھر سے جس وقت ' وہ غارت گر ایماں نکلا
کفر سے گبر گیا ' دیں سے مسلماں نکلا

اس چشم سے ہو کے آب نکلا سینے سے دل خراب نکلا
جو نالہ جگر سے پار نکلا لے سیخ پر اک کباب نکلا

بیت الحزن میں ' شب کہ ترا انتظار تھا
کھٹکا ہر ایک دل کا ' مرے جی کے پار تھا
ایدھر بھی ایک بار ' جفا کی عناں کو پھیر
دل ہے خدنگ دوست ' جگر ہے سناں طلب

دست برد ظلم سے تیرے ' ہیں جتنے ہم خراب
اس قدر بھی ہو وے کا عالم میں کوئی کم خراب
زخم سے دل کے ابھی اے چارہ گر بہتا ہے خوں
مت تدبر بے فائدہ پھائے ' نہ کر مرہم خراب

کبھی رونا ' کبھی سر کو پٹکنا خوشا ایامِ اوقاتِ محبت

ہرزہ گردي سے رهائي کی چهڑا
پهر مجهے زنداں میں ، اے زنجیر ! کهینچ
جان هے وابستہ ، اس پهکاں کے ساتهہ
میرے پہلو سے نہ اپنا تیر کهینچ

ذرا قفس سے قفس ، تو ملا کے رکهہ صیاد
کہ تا اسیر کریں مل کے ایک جا فریاد

کسے جز خون دل ، مے خانے میں منظور ہے ساغر
مري آنکهوں میں تجهہ بن ، دیدۂ ناسور هے ساغر

آہ روے پاک تیرا ، کس طرح آوے نظر
لطف دل جب چها رها هو دیدۂ نم ناک پر

یہ دلِ شوریدہ ، جب سے ساتهہ هے زیر زمیں
شور محشر هي رها " قدرت " کي مشت خاک پر

تجلي ، جلوہ چاهے تو صفائي سینہ پیدا کر
اگر دیدار کا طالب هے تو آئینہ پیدا کر

هے نالۂ شام ، آتش و آہ سحر آتش
کیا زیست هو اپني ، اِدهر آتش اُدهر آتش

چل بسے دنیا سے ' بن دیکھے ترا دیدار حیف
لے چلے حسرت بھرا ' یاں سے دلِ افگار حیف

صبح کے ہوتے ہی ' ہووے جس کی یہ حالت تباہ
آہ وہ بے چارہ پھر جیوے گا کیوں کر شام تک
کر چکا ہے کام اپنا ' یاں تو دردِ انتظار
جب تلک پہونچے ہے قاصد ' اس بت خود کام تک
ہم نہ کہتے تھے کہ " قدرت " مت چمن کی راہ چل
لے گئی آخر ہوائے گل ' شکنجۂ دام تک

رنگ کچھ اور ہی بدلتا ہے مرا بے تاب دل
ہے گھڑی آتش کا پرکالہ ' گھڑی سیماب دل

ہوا یوں پھر گئی ' اس بزم میں اپنے نصیبوں سے
گلے جاتے ہیں اور سب دوست ٹھہرے ' ایک دشمن ہم
شب ہجراں کو " قدرت " ! اس طرح ہم روز کرتے ہیں
کبھی سر کو پٹکتے ہیں ' کبھی کرتے ہیں شیون ہم

نسبت ہے ہماری تری ' جوں سایۂ و خورشید
جس جا نہیں تو ہم ہیں ' جہاں تو ہے نہیں ہم

تیرے جاں سوختہ ' خورشید قیامت کے تئیں
ہر سحر ' پنبۂ ناسور جگر کرتے ہیں

بھیجے مت مرہم کافور تو " قدرت " کے حضور
یہ علاج اور بھی زخموں پہ اثر کرتے ہیں

ابرو تیرے کہتے ہیں کہ میں تیغ دوسر ہوں
عاشق کا یہ دعویٰ ہے کہ میں سینہ سپر ہوں
شایستۂ دنیا ، نہ سزاوار ہوں دیں کا
اے وائے میں " قدرت " ! نہ اِدھر ہوں نہ اُدھر ہوں

دل سے کہا سناں نے کہ سینے میں یاں رہوں
ناوک یہ پوچھتی ہے ، بھلا میں کہاں رہوں
" قدرت " ! یہ زیر خاک بھی آرام کب ملے
یہ درد و داغ ساتھ ہیں میرے جہاں رہوں

آگ اُس داغ کو لگیو کہ نمک سود نہیں
پھوٹے وہ آنکھ جو لخت جگر آلود نہیں
مرحبا آتش دوری کہ جلایا ایسا
جل بجھے سر سے لے پاؤں تک اور دود نہیں
زخم پر زخم لگے ، تب ہو تسلی دل کی
حوصلے پر مرے اک زخم کچھ افزود نہیں

شام کو دھوتا ہوں ، سو خوں جگر سے آستیں
صبح خوں آلودہ ہے پھر چشم تر سے آستیں

تو بھی کم ابر بہاری سے نہیں اے چشم تر
کر دے اب رشک چمن خون جگر سے آستیں
لخت دل اور اشک ' ہرگز خاک پر گرنے نہ دے
بھر لے اے " قدرت " ! تو اِس لعل و گہر سے آستیں

جنوں تیرے ناخن مگر گھس گئے ہیں
کہ عقدہ پڑا ہے بہ‌کار گریباں
چھلکنے لگے ' اشک گل گوں مژہ سے
پھر آئی ہے فصل بہارِ گریباں

قافلے کے قافلے ' اس رہ میں جوں نقش قدم
ہو گئے پامال ' تیرے حسرت پا بوس میں

بہ نہ کر مرہم سے ' داغ سینۂ پر نور کو
کوئی بجھاتا ہے ارے ظالم چراغ طور کو
داغ نے دل کو مرے ' تنہا نہ چھوڑا ایک دم
زخم سینہ سے سدا اُلفت رہی ناسور کو

نہ جا اس بزم سے ہرگز ' جھٹک مت طرف داماں کو
نہ دے برباد اے ظالم ! غبار خاک ساراں کو
ہوا دست جنوں سے تار تار ' از بس‌کہ پیراہن
گریباں ڈھونڈھے ہے دامن کو اور دامن گریباں کو

تم نے تو منھ چھپایا، اِس زلف عنبریں میں
یہ شام غم ہماری، اب کس طرح سحر ہو؟

میں رکھا ہے ابرو کماں کے نشاں کو
ہما! چھیڑیو مت، مرے استخواں کو
گلوگیر ہے، یاں تلک ناتوانی
کہ سینے سے لب تک نہیں رہ فغاں کو
اُڑائی زبس خاک، ماتم میں دل کے
کیا ہم نے آخر زمیں، آسماں کو

نوح! کشتی سے خبردار کہ یاں چھاتی سے
مرہم تازۂ ناسور کہن چھوٹتے ہے

کس کی نیرنگی؟ یہ برق خاطر مایوس ہے
جو شرر دل سے اُٹھا، سو جلوۂ طاؤس ہے
صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یاں سے کرگئے
اب وداع تنگ ہے اور رخصت ناموس ہے

لے گئی یک بارگی، گور غریباں کی طرف
جس جگہہ، جان تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کے کاؤس ہے

سینہ اُس کا ہے ' دل اُس کا ہے ' جگر اُس کا ہے .
تیر بیداد جدھر رخ کرے ' گھر اُس کا ہے
اُس گلی سے جو کوئی گذرے سو جی سے گذرے
دیکھ ! اس راہ نہ چل ' راہ گذر اس کا ہے
لذت دل ' نوک مژہ پر نہ سمجھ اے ہمدم !
تخم غم ' دل میں جو بویا تھا ثمر اُس کا ہے

نہ تھی تاب نگہ ' جب لگ گیا وہ دور آنکھوں سے
نہ ہونا چشم کا بہتر تھا ایسی کور آنکھوں سے
زباں " قدرت " کی ضعف ہجر سے اُز بس ہے لکنت میں
اشارت بات کی کرتا ہے جوں رنجور آنکھوں سے

کر الٰہی قناعت کا سفر ' تا تجھ پہ روشن ہو
کہ چشم مور سے بھی تنگ تر ' ملک سلیماں ہے
لب " قدرت " سے جز فریاد کچھ ریزش نہیں کرتا
یہ کچھ شاعر نہیں ہے ' اپنے دل کا مرثیہ خواں ہے

نہ واقف کارواں سے ہوں ' نہ کچھ آگاہ منزل سے
کیا میں وادی الفت کو طے ' اک جذبش دل سے
گئے وے دن کہ بہتے تھے پڑے نالے ان آنکھوں سے
سر مژگاں تلک ' اک اشک اب آتا ہے مشکل سے

غنیمت پوچھ ملنے کو، یہ عالم ایک افسوں ہے
کدھر فرہاد شیریں ہے، کدھر لیلیٰ و مجنوں ہے
تو کیا سامان پوچھے ہے کہ تجھ بن کیونکر گذرے ہے
یہ سر ہے اور زانو، آستیں اور چشم پر خوں ہے

آساں نہ کٹے گی، یہ جدائی کی جو شب ہے
مشکل ہے، قیامت ہے، مصیبت ہے، غضب ہے

دل گم گشتہ خبردار! کہ یاں سینے میں
تیر بیداد سدا دینگے جاسوسی ہے

جس جگہہ جلوہ ترا، مایۂ مدہوشی ہے
یاد میں اپنی اگر ہے تو فراموشی ہے
آہ یہ کون سی منزل ہے کہ رکھتے ہی قدم
نقش پا سے، مرے سجدے کو ہم آغوشی ہے

سر گشتہ، ترے لیے جہاں ہے — اے خانہ خراب، تو کہاں ہے
جو زخم کہ ہوچکے نہ ناسور — وہ زخم نہیں، وبال جاں ہے
جو نقش قدم ہے اس زمیں پر — آئینۂ حال رہ رواں ہے
"قدرت"! تک کھول چشم عبرت — گر فکر سراغ رفتگاں ہے

اشک اب آنے سے کچھ تھم رہے
لخت دل مژگاں پہ شاید جم رہے
اب تو اس منزل سے نہیں اٹھتے قدم
همرهاں! آگے چلو تم ' هم رہے

هر آن اک ستم هے هر لحظہ اک جفا هے
کوچہ ترا هے ظالم ' یا دشت کربلا هے
ملتا نہیں کسی سے ' اس پر هے کیا مصیبت ؟
یا رب یہ دل همارا کس سے جدا هوا هے

هر گردباد جیدهر ' هم کو ادهر هے جانا
صحرا میں گم رهوں کا یہ خضر رهنما هے [۱]

مائل

میر محمدی نام ' دهلی کے رهنے والے تھے - غزل گوئی میں ایک خاص انداز کے مالک هیں - قدرت‌الله قدرت کے شاگرد تھے -

اتنا میں مرکے دل سے ترے دور هوگیا
ایک دن بھی آکے تو نہ سر گور هوگیا

---

[۱] تذکرۂ مصحفی - گلشن بے خار - گلشن هند - نکات‌الشعرا - تذکرۂ میر حسن - سخن شعرا -

جلوہ کرنے مدرسے ہي میں تو اے جانا ! نہ تھا
پھر بھي دیکھا تو ترا خاص خلوت خانہ تھا
حال کہنے کي نہ دي گریہ نے فرصت رات کو
آج پھر کہہ دو اسے " سائل " وہ کیا افسانہ تھا

بتوں سے مل کے گنواتا ہے دین و دل " سائل "
یہ کافر ' آہ خدا کا بھي ڈر نہیں کرتا

نالے کو ہم نے ضبط کیا ' ناصحا ! تو کیا
ملنے سے تو رنگ زرد ' چھپایا نہ جائے گا

اشک کي طرح گرا جب ' تو پھر اٹھنا معلوم
میں وہ اُفتادہ نہیں ہوں کہ سنبھل جاؤں گا

معلوم کچھ نہیں ' دل غمخوار کی خبر
کیا جانئے کہ کیا ہے مرے یار کي خبر
ہو جا نہ رفتہ رفتہ ' تپ عشق کارگر
" سائل " شتاب لے تو اس آزار کي خبر

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کي ہوس
مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

عجب محبت برار آتی ہے ' ان دونوں کی آپس میں
جدا اک دم نہیں رهتے ' جہاں هو گل وهیں بلبل

سب یار هیں تمہارے ' اغیار هیں تو هم هیں
آنکھوں میں یاں سبھوں کے ' اک خار هیں تو هم هیں
چنگا بھلا ہے تو تو ' پیارے ! تری بلا سے
آزار ہے تو هم کو ' بیمار هیں تو هم هیں

" مائل " سے یارو ' مرد مسلماں یہ ' یہ ستم
اللہ کا بھی ' اس بت کافر کو ڈر نہیں

پلائے ساقیا ! دے مجھ کو بھر بھر جام گلشن میں
کہ دونا لطف رکھے ہے ' مے گل فام گلشن میں
مجھے آہ و فغاں ' ان هم صفیروں کا خوش آتا ہے
وگرنہ مجھ سے دیوانے کا ہے کیا کام ؟ گلشن میں

نالے میں سب کے ' فرض کیا میں اثر نہیں
اے آہ صبح ! تو بھی تو کچھ کارگر نہیں

کچھ تعجب نہیں گر مر گیا " مائل " تیرا
یار کیا لگتا ہے انسان کے مر جانے کو

کہتا نہ تھا میں باز آ ہردم کی اس ہنسی سے
آخر کیا نہ ظالم! اک بے گناہ جی سے

حزیں

(میر) محمد باقر نام، دہلی کے رہنے والے تھے غزلوں میں شیرینی سے زیادہ گداز ہے، قریب قریب ہر صنف شاعری پر طبع آزمائی کی ہے - غزل کا خاص رنگ ہے - مرزا مظہر کے شاگرد رشید تھے - دیوان اردو مرتب اور مکمل ہے لیکن کم یاب ہے [۱] -

---

ہے کہاں قدرت ہمیں یاں تک، جو ہم سے ہو سکے
نعت پیغمبر کی یا اس شاہ حیدر کی ثنا
جس طرح جی چاہتا ہے، ہو نہیں سکتی " حزیں "
حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

غم نے آباد کیا خانۂ ویراں میرا
ابر مژگاں سے ہوا سبز بیاباں میرا

خوب سوجھا ہے مرا عشق میں رسوائی کا
معتقد دل سے ہوں، اس دل کی میں دانائی کا

---

[۱] گل رعنا -

یہ کہہ کر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت
لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوٹے آشیاں اپنا

میں تو بندہ ہوں، تری جور و جفا کا لیکن
سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا

شیریں نے دی تھی دل میں اگر کوہ کن کو جا
اس نے بھی جی کو دے کے، حق اس کا ادا کیا
نالاں نہیں ہے جور و جفا سے ترے "حزیں"
جو تو نے اس کے حق میں کیا سو بجا کیا

جو ہیں آنکھوں کے مخمور، ان کو مے خانے سے کیا نسبت
نگہہ کے ہیں جو تشنہ، اُن کو پیمانے سے کیا نسبت
خبر لے یا نہ لے صیاد! ان کو دام میں مرنا
گرفتاروں کو تیرے آب اور دانے سے کیا نسبت

اس پر نہیں ہوا، یہ دل مبتلا عبث
ناصح! تنگ اُس کو دیکھ، مجھے مت ستا عبث

مری رنگیں کلامی کا ہے وہ گل پیرہن باعث
کہ ہو ہے بلبلوں کی خوش صفیری کا چمن باعث

" حزیں " ان شعلہ رخساروں سے شمع جی کو لگا ہرگز
ہوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی ' لگن باعث

وہ نگاہ مست ہے اس چشم گریاں کا علاج
مے سے ہوتا ہے ' خمار مے پرستاں کا علاج

ریجھتا ہوں دیکھ کر الفت میں پروانے کی طرح
جی سے خوش آتی ہے مجھ کو اس کے مر جانے کی طرح
امتحاں نے کوہ کن کا ' کر دیا خانہ خراب
دیکھ لی شیریں کی ' ہم نے کام فرمانے کی طرح
نو بہار آئی " حزیں " اب کیجئے کیا جاں کا فکر
بے طرح مجھ کو نظر آتی ہے دیوانے کی طرح

دیکھنے میں اس کے ' کب آتی ہیں ایسی صورتیں
دیکھ کر تجھ کو ' نہ ہو آئینہ حیراں کس طرح

یہ شانہ زلف سے تیری ہے ' مو بہ مو گستاخ
نہ کر تو آپ سے ظالم ! ہر ایک کو گستاخ

کون دے گا ؟ دیکھ ! اس ملبہ کو دل محزوں کی داد
لی نہیں جائے گی محشر میں بھی ' اس کے خوں کی داد

گوارا ہوگیا دل پر ہمارے ' جور یار آخر
ہمیں رنج و الم سے ہوگئی صحبت برآر آخر

نہ ہو اے باغباں بلبل کو مانع گل کے ملنے سے
نہیں رہنے کی گلشن میں بہار آخر سدا ہرگز

خوب رو شاید مزا پاتے ہیں اپنے جور سے
اس قدر جو ' ان کو ہوتی ہے ستانے کی ہوس

شیشۂ دل کیوں نہ ٹوٹے عشق کے صدموں سے ہائے
اس بچارے کو ہے ' اس بار گراں سے اختلاط

بے خبر ہوتے ہیں جو کہ ' عشق کی لذت ستی
وہ نہیں رکھتے ' مزے سے زندگی کی اطلاع

یہ تجلی حسن کی تیرے ' کہاں پاتی ہے ؟ شمع
دیکھ کر تجھ کو خجالت سے پگھل جاتی ہے شمع

بجھ گیا تھا مرگ سے مجنوں کی ' الفت کا چراغ
داغ نے میرے ' کیا روشن محبت کا چراغ

خجل رکھتی ہے ہم کو ناتوانی ' جور جاناں سے
یہ تھوڑا سا نہو ' اس تیر مژگاں کے نہیں لائق

نہ ہوتا اس قدر خوبان میں ' گر وہ تند خو نازک
تو کب ہوتی ؟ ہماری شاعری کی گفتگو نازک

آئی ہے نوبہار ' دھڑکتا ہے دل کہ ہائے
پھر شور و شر کرے گا یہ خانہ خراب دل

دے کر دل اپنا ' کیوں عبث افسوس اب کھاتا ہے دل
جانا رہا جب ہاتھ سے پھر ہاتھ کب آتا ہے دل

فصل گل آخر ہوئی ' کیا دیکھیں ہوں گے شاد ہم
کچھ کر ' اے صیاد ! اب ہوں گے نہیں آزاد ہم

اس بے وفا کے عشق سے کچھ مجھ کو جس نہیں
پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں
جس دن سے میں سنا ہے کہ آخر ہوئی بہار
اس دن سے چھوٹنے کی مجھے کچھ ہوس نہیں

کچھ کہا شاید اُس نے قاصد سے
دل پہ میرے ' وہ اضطراب نہیں

نہ وصل میں اسے راحت نہ ہجر میں آرام
کسی طرح سے "حزیں" دل کے تئیں قرار نہیں

لطف سے سرسبز کر اپنے محبت کا چمن
خشک رہتا ہے وفا بن ' جان الفت کا چمن
خاک پر میرے ترشح مت کر اے ابر بہار!
ہو رہا ہے اشک سے سیراب حسرت کا چمن

بے طرح دیوانگی پر ' عشق میں آیا ہے دل
دیکھئے ! اب زندگی کا کیا ؟ مرے اسلوب ہو

حال اے قاصد مرا ' جو کچھ کہ تو جاتا ہے دیکھ
اس طرح سے اس سے مت کہیو کہ وہ محجوب ہو

کچھ محبت میں نہیں ' عاشق بچاروں کا گناہ
دل کی گردن پر ہے سب دن ' دل کے ماروں کا گناہ
عاشقوں کے دل میں کب ہے ؟ صبر کی طاقت "حزیں"
نوحہ کرنے میں نہیں ' ان بے قراروں کا گناہ

میں چاہتا ہوں عشق چھپاؤں - یہ کیا کروں
رسوا کرے ہے خلق میں ' یہ چشم تر مجھے

کچھ کٹے وصل میں ' کچھ ہجر میں گریاں گزرے
کیا مری عمر کے اوقات ' پریشاں گزرے

راحت نہ دل کے ہاتھ ' میں پاؤں گا ایک دم
جب تک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے

" حزیں " میں درد دل کا ' کس طرح ظاہر کروں اس سے
مجھے کہتا ہے ' " تیری بات مجھ کو خوش نہیں آتی "

وفا میری ' اگر جور و جفا تجھ کو نہ سکھلاتی
تو کیا آرام سے ؟ یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی [۱]

لطف

مرزا علی نام ' ان کے والد کاظم بیگ ' اسطرآباد (ایران) کے رہنے والے تھے ' مرزا کاظم بیگ نادرشاہ کے ساتھ ہندوستان آئے تھے اور دربار میں داخل ہوگئے فارسی کے اچھے شاعر تھے -

---

[۱] انتخاب حسرت -

"لطف" نے عرصۂ قلیل میں اُردو میں ایسی مہارت پیدا کی کہ ان کا شمار استادوں میں ہونے لگا - سلاست کے ساتھ جذبات تغزل کا اظہار کرتے ہیں زبان کا بھی لطف ہے اور محاورہ بندی کا بھی - انہوں نے اکثر ترکیب اور مضمون فارسی سے لیکر اُردو کو مزین کیا ہے - تذکرۂ گلشن ہند نہایت تحقیق سے لکھا ہے [۱] -

پاس ناموس محبت ' فرض ہے پروانہ وار
شمع ساں ' سوز شب هجراں زباں پر لائیں کیا
بلبل و گل میں وہ جوشش ' سرو قمری میں یہ ربط
گلستان دهر میں ' پهر دل کے تئیں الجهائیں کیا

چمن کو کل ' جو ترے مے کشی کا دهیان رہا
هر ایک پات کے کهڑکے پہ ' گل کا کان رها
جو عمر خضر هو شاید ' تو وصل هووے نصیب
یہ زندگی جو تهی ' اس میں تو امتحان رها

نہ کر ' اے بلبل دل سوختہ ! صیاد کا شکوا
کہ جاں بازوں کے دین میں کفر ہے ' جلاد کا شکوا
نہیں شیریں پہ کچھ موقوف ' یہ قسمت کی خوبی ہے
زبان تیشہ ہے کوئی سنے فرهاد کا شکوا

---

[۱] گل رعنا -

ایک دن ، حالِ دلِ زار نہ دیکھا نہ سنا
سچ تو یہ ، تجھ سا بھی دلدار نہ دیکھا نہ سنا
دیکھ، گل نبض مری ، رو کے لگا کہنے طبیب
کبھی میں نے تو یہ آزار نہ دیکھا نہ سنا

ہے اس شدت سے ، رنگینیٔ کوئے یار کا چرچا
کہ بھولا عندلیبوں کو گل و گلزار کا چرچا
ڈھکا رہ جاتے اسرارِ محبت ، تو غنیمت ہے
ہوا ہے اب حکیموں میں ، مرے آزار کا چرچا
ہمیں ہے یار کے چرچے سے یہ فرصت ، کہاں ہمدم ؟
کہ اب دن رات بیٹھے کیجئے اغیار کا چرچا

زہے غفلت ! کہ ہم دنیا کو بزمِ عیش سمجھے تھے
کھلی چشمِ حقیقت بیں ، تو کام اژدہا نکلا
نہ کر اے "لطف" ناحق رہ روانِ دہر سے حجّت
یہی رستہ تو کھاکر پھیر ہے کعبے کو جا نکلا

فرہاد سا نہ رنگ ، نہ مجنوں سا کیا حال
کس منہ سے ؟ اُسے بھیجئے پیغامِ محبت

کیوں کر نہ بھلا ہمدم ! ہو زندگی اب مشکل
ہیں دل میں تو سو باتیں اور جنبشِ لب مشکل

اک آہ کے کرنے کو سو چاھئیں تمھیدیں
کس سے کہیں ؟ حال دل ' ہے آہ عجب مشکل
دو لاکھ بہانے ہیں ' نت روئے دو آنسو
دو دن کا ہوا جینا ' ہم کو تو غضب مشکل

میں کیا ہوں باختہ رنگ ' اُس شعلہ رو کے آگے
مہتاب کے بھی منہ پر ' چھٹتی ہوائیاں ہیں
طاقت حباب ساں ' اک نظارہ کی ملی ہے
ان فرصتوں پہ ظالم یہ خود نمائیاں ہیں
اے "لطف" ! اس غزل پر کہنا بقول سودا
یہہ عاشقی نہیں ہے زور آزمائیاں ہیں

او میاں تیغ والے ! اور اک زخم
کب سے ہم ایڑیاں رگڑتے ہیں
برگ گل ' جس نمط خزاں میں جھڑیں
لخت دل ' یوں مژہ سے جھڑتے ہیں
بس قسم یار ! اب تیز جلدی
ورنہ اب یار ہی تڑپتے ہیں

تم ہو ' بزم عیش ہے واں ' اور صحبت داریاں
ہم ہیں کلبۂ غم میں یاں اور جان سے بے زاریاں
تم کو سیر باغ و گل گشت چمن کا واں ہے شوق
یاں بدن پر ہے ہجوم داغ سے گل کاریاں

دھیان ہے، اُدھر زلف پریشاں کا تمہیں
یاد ہیں حال پریشاں کی مرے، کچھ خوابیاں
یاں یہ رنگ پیکر تصویر، ہم خاموش ہیں
گفتگو کی تم دکھاتے ہو وہاں طراریاں

نہیں یہ شیشہ، مت اے محتسب مچادھومیں
بھرا ہے آبلۂ دل، ہمارے پہلو میں
کب اپنی چشم میں طوفانِ نوح کو ہو قدر
نہاں ہے یاں، وہی عالم ہر ایک آنسو میں
اگرچہ فرق زمیں آسماں کا ہے تاہم
ملے ہے وضع فلک کی بہت، تری خو میں

گذر جا سر سے مانند قلم، گر ہے سر شاہی
نہ آساں سمجھیو، پانا سیہ بختی افسر کو
کبھی تو خاک ساروں کا بھی غم خانہ، کرو روشن
نہیں گو کچھ بھی، نقش بوریا تو ہوگا بستر کو

کیا ہم نے تو ترک مدعا کو، مدعا اپنا
خدا توفیق بخشے نیک، چرخ سفلہ پرور کو

نہیں معلوم، کیا اس سینہ سوزاں میں پنہاں ہے
کہ ہر تار نفس، جوں رشتۂ شمع، آج سوزاں ہے

سرو طرز سخن ' دیکھتی کیوں اے " لطف " گلشن میں
نئے انداز سے ' بلبل چمن میں اب غزل خواں ہے

جس دن سے ہم ' جلوں کے ہیں داماں لگے ہوئے
دامن کی جا ' یہاں ہیں گریباں لگے ہوئے
اللہ رے قید خانۂ ہستی ' کہ دم کے ساتھ
ہر اک قدم پہ لاکھوں ہیں زنداں لگے ہوئے
بارے ! چھٹے اسیر بلا ' اُس گلی میں آج
ہیں تودۂ ہائے کلبج شہیداں ' لگے ہوئے
بیمار کا ترے ' تو کھلا حال بعد مرگ
سینے میں زخم تھے کئی ' پنہاں لگے ہوئے
رکھ ! سوچ کر قدم مری وادی میں گردباد '
پاؤں سے اپنے ہیں یہ بیاباں لگے ہوئے

خورشید کی بھی آنکھ فلک پر جھپک گئی
ٹک جو گرہ نقاب کی اس کے سرک گئی

سب کنارہ گیر ' اپنے اور بیگانے ہوئے
اب کی فصل گل میں ہم ' بے طرح دیوانے ہوئے
سنتے ہیں ' کی محتسب نے بیعتِ دست سبو
مژدہ ' مے نوشاں ! کہ پھر آباد مے خانے ہوئے

وہ خودفروش آگیا بارے چمن میں ' کل
بوئے خودی ' نکل گئی گل کے دماغ سے

ہوئے، فسانے ہستی مرحوم کا برا
کلیج عدم میں کانٹے ہے کس فراغ سے ؟

گردش چشم بتاں کے، بس کہ ساغر سے تھے
گردش گردوں کو، ہم کہتے تھے گردش جام کی
جب سے کھیلتا "لطف" رنج فرقت یار و دیار
اب ہوئی معلوم، مصلحت گردش ایام کی

کیوں دل پہ مرے جادو، اُن آنکھوں کا نہ تھن جائے ؟
جس پر کہ پڑے آنکھ، سو دیوانہ سا بن جائے
بے چین بہت، "لطف" کی ہے کل سے طبیعت
اللہ کرے، آج وہ روٹھا ہوا من جائے

اِدھر سے جتنی یگانگت کی، اُدھر سے اُتنی ہوئی جدائی
بڑھائی تھوڑی سی جب اِدھر سے، بہت سی تم نے اُدھر گھٹائی
نہ ہم سے بگڑو نباہ دو جی! نہیں ہے کچھ تم کو دھیان اُس کا
کہے گی خلقت، کہ ہوچکی بس، وہ دیکھو دونوں کی آشنائی

(رباعیات)

جلوت سے کہے بزم، مری ہو دیکھو ؟
یوں جام کہے جم سے، کہ مجھ کو دیکھو
ہر آئینہ، آئینہ محل کا تیرے
کہتا ہے سکندر سے، کہ مجھ کو دیکھو

منہ رکھتے ہیں کیا ؟ صاحب تاج و دیہیم
جو خاک بشملوں کے تئیں جانیں سقیم
ہم ' آنکھ اُٹھا دیکھیں نہ گردوں کی طرف
گر خم نہ ہو ماہ نو برائے تعظیم [۱]

رنگین

(مرزا) سعادت یار خاں نام ' اُن کے والد مرزا طہماسپ بیگ توران کے رہنے والے تھے ' لاہور آئے اور نواب حسین الملک کی سرکار میں ملازم ہوئے -

رنگین سرہند میں پیدا ہوئے ' دہلی میں تربیت پائی شہ سواری ' تیراندازی میں کمال تھا ' گھوڑوں کے بہت اچھے معالج تھے ' اکثر شاہزادوں کے مصاحب رہے ' کبھی کبھی تجارت بھی کرتے تھے ' شوخی اور بذلہ سنجی میں مشہور تھے ' زبان کے چٹخارے زیادہ ہیں ' لیکن مضمون آفرینی سے بھی نہیں چوکتے ' کلام میں گداز بھی ہے -

تصانیف میں چار دیوانوں کا مجموعہ ہے دواوین کے نام ریختہ - بیختہ - آمیختہ - انگیختہ ہیں ان کے سوا اور بھی کتابیں ہیں -

ایجاد رنگین - فرس نامہ - رنگین نامہ - مجالس رنگین - مثنوی دل پذیر - اپنی اپنی جگہ پر مقبول اور قابل قدر ہیں - ایجاد

---

[۱] گلشن ہند - دیوان لطف -

رنگیں میں چھوٹی چھوٹی حکایتوں کے ذریعہ سے اخلاق کی تعلیم دی ہے - حاتم کے شاگرد تھے - سنہ ۱۲۵۱ھ میں وفات پائی [۱] -

---

کر اپنے دل میں تو انصاف ' میں روٹھا رہوں کیوں کر ؟
گلے میں ڈال کر با نہیں منانا تیرا ' یاد آیا

تا حشر رہے ' یہ داغ دل کا   یارب ! نہ بجھے چراغ دل کا

کہا کرتے ہو ناصح ! تم نصیحت رات دن مجھ کو
اسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا ؟

کھینچ لائی ہے اسے ' اے کشش دل تو یار تک
ہارے صد شکر کہ تجھ کو بھی یہ مقدور ہوا

قسم ہے ایک عالم کو ' رُلا دیکھا ہے اے " رنگیں "
وہ اس کی جھڑکیاں کھاکر ' ترا مجبور ہوجانا

جو لکھا تھا ' اس نے ' وہ تو پڑھ لیا اے نامہ بر !
اب یہ جی میں ہے کہ لیں حرف زبانی کا مزا
لذت اُس کے تیر کی ' " رنگیں " ! بیاں کس سے کروں ؟
میں نے پایا ہے کچھ ' اس درد نہانی کا مزا

---

[۱] مہر جہاں تاب -

پابوس یار کی ہمیں حسرت ہے اے نسیم!
آہستہ آئیو تو ہمارے مزار پر

رہروانِ عدم، ذرا ٹھہرو!
ہم بھی چلتے ہیں ساتھ، دم لے کر

راکھ کا اک ڈھیر دیکھا اور کچھ پایا نہ خاک
اپنے سینے میں بہت سی، میں نے کی دل کی تلاش

مجھ سے ہے کعبہ و بت خانے کی یارو! رونق
نظر آتا ہے مجھے دونوں جگہ جلوۂ حق

کل شام کو "رنگیں" سے کہیں آنکھ لڑی تھی
سر کے نہیں وہ، روزن دیوار سے اب تک

زاہد! بتا کہ کعبے میں کیا دیکھتا ہے تو؟
جاتے ہیں دیر میں تو صنم دیکھتے ہیں ہم

تو نہ گزرے گا جفا سے تو، یار!
جان سے اپنی گزر جائیں گے ہم
تیری دہلیز پر، اپنے سر کو
ایک دن کاٹ کے دھر جائیں گے ہم

دم کہیں لیں گے نہ پھر، تا بہ عدم
تیرے کوچے سے اگر جائیں گے ہم
زیست باقی ہے، تو اپنا "رنگیں"
نام اس عشق میں کر جائیں گے ہم

گرم ان روزوں میں، کچھ عشق کا بازار نہیں
پوچھتا دل کو ہوں میں، کوئی خریدار نہیں

دل وہ کیا دل ہے کہ جس دل میں کوئی یار نہیں
یار کیا یار ہے جو یار کہ دلدار نہیں
غم وہی غم ہے کہ جس غم سے بھلا ہو سینہ
سینہ کیا سینہ ہے جو سینہ کہ افگار نہیں

ہم رہے کنج قفس میں، فصل گل جاتی رہی
اب، کہو چشم رہائی کیا رکھیں صیاد سے ؟

چاہ کر ہم اس پری رو کو جو دیوانے ہوئے
دوست، دشمن ہو گئے اور اپنے، بیگانے ہوئے
پھر لگے سر سے یہ جی میں ہے کہ دل کو تھلتھئے
خاک کوچے کی تری، مدت ہوئی چھانے ہوئے

دل کو کوئی کس طرح سنبھالے
یاں جان کے پڑ رہے ہیں لالے

روح نے جسم پر، گرانی کی اب یہ حالت ہے ناتوانی ہے

خوب ہے ایک ایک سے، دنیا میں جو محبوب ہے
پر جو ہم نے خوب دیکھا تو وہی کچھ خوب ہے

ہر گھڑی دھیان اُدھر، اے دل ناداں نہ جائے
ہے یہی خوب کہ یہ بات کوئی جان نہ جائے
جوش سودا میں تو واشد نہیں ہوتی دل کو
جب تلک ہاتھ مرا، تابہ گریباں نہ جائے

تشنہ کاموں کو بھی کرنا، ایک دو قطروں سے یاد
جب کہ تو لبریز ساقی! ساغر صہبا کرے

" رنگیں " اک وضع پر گذارا نہ ہوا - دنیا میں آہ
گذرا جو کچھ، وہ پھر دوبارا نہ ہوا - ہر شام و پگاہ
چاہا ہم نے بہت نہ چاہا اس نے - مجبوری ہے
چاہا اس کا ہوا، ہمارا نہ ہوا - اللہ اللہ

رباعی

اے موجب عیش و شادمانی پھر آ

اے باعث لطف زندگانی پھر آ

میں ہوں ترے بن ' چشم خوباں میں ذلیل

پھر آ تو اب اے میری جوانی پھر آ ! [۱]

نمونہ مثنوی ایجاد ،نگیں :—

حمد باری

ہوسکے ہے حمد کیا ' اُس پاک کی

پاک کی ' جس نے یہ صورت خاک کی

سوخت ہوں جس جا ' ملائک کے بھی پر

اس جگہہ میں کر دیا اُس کا گذر

یاں تلک رتبہ دیا اس خاک کو

کر دیا فرماں میں ہفت افلاک کو

واقف اسرار اُس کو کر دیا

تھا جو نور معرفت ' سو بھر دیا

کلیہ مخفی میں جو تھا اسرار غیب

اس پہ ظاہر کو دیا بے شک و ریب

پھر " نفخت فیہ " فرمایا کسے

جز بشر ' یہ حکم آیا ہے کسے

بے ستوں ' برپا کیا افلاک کو

اور پانی پر بچھایا خاک کو

---

[۱] انتخاب حسرت –

پھر پکڑ لے جب لگا وہ رنگ ڈھن
کوٹ کے ' اُس پر رکھے تب سنگ فرش
صانع قدرت نے جس دم کی رقم
صفحۂ تقدیر پر لے کر قلم
کن کے کہتے جس گھڑی بنیاد کی
صورت کون و مکاں ایجاد کی
عاشق و معشوق کو پیدا کیا
ایک اوپر ' ایک کو شیدا کیا
طوق قمری کی دیا گردن میں ڈال
سرو کا ' دل میں رکھا اس کے خیال
کر دیا جانسکری ' اُس کا لباس
اس کو بھی آزاد رکھا ہے اداس
شمع کا جو کچھ کہ ہے سوز و گداز
دل پہ پروانے کے کھولا اس کا راز
یہ ادھر جلتا ہے اس پر ہر گھڑی
دیکھ کر روتی ہے اُس کو وہ کھڑی
کر دیا معشوق ہر ایک گل کو پھر
عاشق اس کا کر دیا بلبل کو پھر
وہ تو ہے نالاں اُسی کے شوق میں
ہے گریباں چاک وہ بھی ذوق میں
اپنا مظہر ' پھر مقصد کو بنا
نور سے اپنے اُسے پیدا کیا
کیا کہوں ؟ نعمت اُس شہ لولاک کی
جس کے باعث ہے ' یہ عزت خاک کی

اس کي عسکي کا نہ ہوتا گر سبب
تو یہ مطلوقات ' کچھ ہوتي نہ تب

حکایت طوطا

ایک طوطا بولنے میں طاق تھا
اس کا پڑھنا شہرۂ آفاق تھا
شعر اچھے ' یاد تھے اس کو ہزار
اور لطیفے بولتا تھا بے شمار
پوچھتا جو اس سے جو کچھ ' وہ شتاب
بات کا اس کے وہیں دیتا جواب
ہر سخن اس کا تھا ' مصري کی ڈلي
بات اس کی سب کو لگتی تھي بھلی
گھولتا تھا للذ ' ہر اک بات میں
سو اُپج لیتا تھا ' دن اور رات میں
کیا کہوں وصف ؟ اس کی ،ہیں تقریر کا
تھا وہ مشغولہ جوان و پیر کا
مالک اس کا ' ایک اہل ہند تھا
پر بہت بد و ضع مود ورد تھا
اپنے افعالوں سے ہوکر منفعل
ایک دن رونے لگا ' وہ سنگ دل
بولا طوطا " بے سبب روتا ہے کیوں ؟
تو خلاف عادت ' اب روتا ہے کیوں ؟
بولا وہ " اے مرغ دل‌کش خوش نوا
دردمصیاں کي دوا مجھہ کو بتا

کہہ تو تو ، اس درد کو کہتا ہے کیا
ہوسکے مطلق نہ جس کی کچھ دوا
بولا طوطا جو ہیں دکھ ، دنیا میں آج
کوئی اُن میں تو نہیں ہے لا علاج
اور لگا کہنے کہ یہ آ سان ہے
جو نہ جانے اس کو ، وہ ان جان ہے
آج تک تو ہیں کھلے ، توبہ کے در
حق سے ڈر کر ، دل میں استغفار کر
جب خدا نا کردہ ، ہو جاویں گے بند
تب نہیں ہونے کی توبہ سود مند
غرق گو عصیاں میں ہے ، سرتا بہ پا
پر امید عفو سے ، مت ہاتھ اُٹھا
کچھ خلل اپنے نہ لا ، اوسان میں
ہے لکھا '' لا تقنطو " قرآن میں [1]

نثار

محمد امان نام ، سعادت‌اللہ معمار کے بیٹے اور '' اُستا '' معمار کی اولاد میں تھے ، جامع مسجد دهلی اِنہیں کی بنائی ہوئی ہے - دهلی کے رہنے والے تھے -

دهلی پر جب آفت آئی تو یہ لکھنؤ چلے آئے ، یہاں ان کی عزت ہوئی - غزل کی ضروریات ، کلام میں موجود ہیں الفاظ

---

[1] نسخۂ قلمی ایجاد رنگین -

..مانی سے زیادہ لاتے ہیں، اپنے رنگ خاص کے استاد ہیں، شاہ حاتم کے شاگرد تھے -

---

گہوارے میں آپ اپنے، وہ جھولے ہے شب و روز
انسان میں یہ دم، نہیں آتا ہے نہ جانا
ہے نام "نثار"! اپنا حقیقت میں بھکاری
اور اسم شریف اس کا جو پوچھو تو ہے دانا

اک ایک سے کہا کہ مجھے چاہتا ہے یہ
خانہ خراب تو مرا پردہ اُٹھا گیا
اس سر زمیں پہ لاکے مجھے، آج آسماں
سجدے کو تیرے نقش قدم کے، بٹھا گیا

کیا فسوں تونے خدا جانے، یہ ہم پر مارا
تجھ سے پھرتا نہیں دل، ہم نے بہت سر مارا

تجھ سوا کوئی نہیں عشق بتاں میں یارب!
زور بازو کا بھروسا ہے نہ زر کا تکیا
ضعف کا کام کھلچا، اب تو بہت دور "نثار"
پلبۂ داغ کیا ہم نے، جگر کا تکیا

بگو نہ مجھ سے ' میں دیکھوں ہوں پاک نظروں سے
کچھ اور جی میں نہ لے جا ' کدھر گمان گیا

اچھا نہ ہوگا بیمار ' اُس چشم سرمہ سا کا
بس اے طبیب بس کر ! دیکھا اثر دوا کا
اقبال زخم سینہ ' ہے بر سر ترقی
شاید کہ تیر تیرا ' رکھتا تھا پر ہما کا

ہوگئی عید مرے کلبۂ احزاں میں " نثار " !
اس صنم کو جو مرے گھر میں خدا لے آیا

پھر ہمدم ہو گیا اور ہم ہوئے دم میں جدا
واہ وا اے چرخ برہم ! کیا کیا تھا ' کیا ہوا

ہے جو سینے میں جگر ' دھکے ہے انگارا سا
دل جو پہلو میں ہے ' بے تاب ہے وہ ' پارا سا
دل کہیں ' دیدہ کہیں ' جی ہے کہیں ' جان کہیں
گردش چرخ میں ہر ایک ہے ' آوارا سا

ہم چھین لیں گے آئینہ ' مت دیکھ اپنی انکھڑیاں
اے شوخ تو بیمار ہو ' کیوں کر یہ دیکھا جائے گا ؟

لپٹتا ہے یار مجھ سے ' تو ساتھ مت پھرا کر
میں بھی خراب ہوں گا ' تو بھی خراب ہوگا

دل سے ترا خیال ' کوئی کیا اُٹھاے گا
یہ نقش کالحجر ہے ' اسے کیا مٹائے گا
میری طرح دیا ہے جسے حق نے داغ عشق
کس واسطے چراغ ' وہ گھر میں جلاے گا

حیف صد حیف ' ہمیں بھول گئے بندہ نواز
ایک پرزہ نہ کسی روز رقم فرمایا

منظور ہے جو تم کو ' ہم زخمیوں کا جینا
تار نگہ سے پیارے ! سینے کے زخم سینا
گو عید کو نہ آئے تو بعد ہی کو ملئے
اے رشک ماہ ! خالی جاتا ہے یہ مہینا

گالی رہی اُدھر سے ' اِدھر سے دعا رہی
اُس کا رہا یہ قول ' ہمارا یہ ڈھب رہا
جائے دے مال و جان ' دل و دیں گیا تو جائے
اپنی جو ایک آن رہی یاں ' تو سب رہا

خبر رهی نہ مجھے تن بدن کی اپنے جب
مری خبر کے لئے ' تب وہ بے خبر آیا
پھرے تھا دامن صحرا میں ' جیب چاک کئے
" نثار " شہر میں آیا ' تو راہ پر آیا

کس جفاکار سے ہم ' عہد وفا کر بیٹھے
آخر اس بات نے ' اک روز پشیمان کیا
آج بولا وہ صنم مجھ سے ' مبارک ہو " نثار "
تیری مشکل کو خدا نے ترے ' آسان کیا

چھوڑا جو کام باقی ' پھر جیب میں رفو کا
اے پلچۂ جنوں ! ہم جانیں گے تجھ کو چوکا
وہ خود بہ خود جو یاں تک آوے ' تو زندگی ہے
ہم کو تو اب نہیں ہے ' مقدور جستجو کا
کیا قہر ہے ؟ میں جس کی دیدار کا ہوں تشنہ
وہ تشنہ ہو رہا ہے یارو ! مرے لہو کا

اُمید شفا ہے لب جاں بخش سے ' اس کو
شرمندۂ عیسے نہیں بیمار تمہارا
ہے نام رہائی سے جسے ننگ ' جہاں میں
محبوس سو وہ کون ؟ گرفتار تمہارا

دل گرا چاہ زنخنداں میں ، سنبھالا نہ گیا
سامنے آنکھوں کے ڈوبا ، پھر نکالا نہ گیا

صورت لکھوں کہ ناز لکھوں یا ادا لکھوں
مانی کہے ہے دیکھ تجھے ، آہ کیا لکھوں ؟

شاید کہ اُس گلی میں کسی سے لڑی ہے آنکھ
یاں بیٹھنا ''نثار'' ترا بے سبب نہیں

عید کا چاند ہوگئے ہو تم کب کے ؟ ہم انتظار بیٹھے ہیں

اس شوخ ستم گر سے ابھی یار ہوئے ہیں
ہم تازہ مصیبت میں گرفتار ہوئے ہیں

کچھ بات ''نثار'' اس کی نگاہوں کی نہ پوچھو
یہ تیر ، کلیجے کے مرے ، پار ہوئے ہیں

روبرو ہوتے ہی اُس کے ، عقل ہوجاتی ہے گم
کچھ کا کچھ بکنے لگوں ہوں ، بات کر آتی نہیں
آہ کس بے درد ، بے پروا کے ہم پھندے میں ہیں
سیکڑوں مرتے ہیں ، اس کو ایک کا بھی غم نہیں

نے دھواں دل سے اُٹھے' یارو! نہ پروانہ جلے
آتش خاموش ہوں' مانند گلزار چمن

بلبل رشتہ بہ پا' لٹکے ہے شاخ گل سے آج
سخت الجھوڑے میں ہے' یارب! گلھم گار چمن

جگر پہ' عشق یہ لکھتا ہے' داغ دیتا ہوں
شب فراق! میں تجھ کو چراغ دیتا ہوں

رات بہکی جو زباں' یار کی' مے نوشی میں
جو نہ کہنا تھا کہا' عالم بے ہوشی میں
خط مرے یار نے' واں جاکے لکھے سب کو ‟ نثار"
رہ گئے ایک ہمیں' ہائے فراموشی میں

اشک ہوئے ہیں اب تو ایسے' ہم کو بہائے دیتے ہیں
تخفتی کیسی؟ حیف یہ لڑکے' دھوکے ستائے دیتے ہیں

بہت کیوں لگ چلے اس سے' جو ناحق جھڑکیاں کھائیں
وقار اپنے کو' ہم نے کھو دیا بے امتیازی میں

شعلہ و پروانہ کا سا' میرے اس کے ربط ہے
آشناؤں کا نہیں یارو! میں شب کا یار ہوں

مہتاب نے دیکھا ہے جو اُس پردہ نشیں کو
بدلی میں سے وہ جھانکے ہے، چھپ چھپ کے زمیں کو

یارو ؟ مجھے سنا کے نہ تم اُس کا نام لو
سر پھوڑ مر نہ جاؤں، مجھے پہلے تھام لو

لڑاتا ہے جو آنکھ سے وہ آنکھیں، لڑانے دو؛
اگر آتا ہے اپنے دام میں آپھی، تو آنے دو
ہمارا ہاتھ مت پکڑو، بہار آئی ہے جانے دو
گریباں کی، ہمیں اب دھجیاں یارو، اڑانے دو

بد عہد ہو، بد قول ہو، گم راہ تمہیں ہو
ہاں سچ ہے کہ جھوٹوں کے شہنشاہ تمہیں ہو

کہاں رہا ہے مجھے ؟ اپنے تن بدن کا ہوش
ہوا ہوں مست، تری پر خمار آنکھوں سے

رخ پر جو ترے، زلف سیہ فام نہیں ہے
یہہ صبح قیامت ہے، اسے شام نہیں ہے
ہر صبح، ترے در پہ نہ آبیٹھوں میں کیوں کر
ناچار ہوں، مجبور ہوں، آرام نہیں ہے

غنچہ ساں، اپنی زباں لال ہے لاچاری سے
بول سکتے نہیں کچھ، دل کی گرفتاری سے

مژگاں پہ، جو انگشت نما لخت جگر ہے
اس ساہ سے، یہ آنکھ لڑانے کا ثمرا ہے

شوق پروانہ کو اب مژدۂ مایوسی ہے
کیونکہ وہ پردہ نشیں شعلۂ فانوسی ہے

سہلہ کاری جوں نگیں، یارو، ہمارا کام ہے
کوہ کن کی طرح، اپنا بھی جہاں میں نام ہے

یاں تو جلدی ہے جی سے جانے کی　　دیر ہے بس تمہارے آنے کی
صورت نقش پا "نثار"! اُسے　　آرزو ہے مرے مٹانے کی

تو غیر کے گھر جاکے بغل گرم کرے ہے
مرتا ہے جو تجھ پہ، وہ دم سرد بھرے ہے

جل بجھے سینے میں دل، لیکن نہ نکلی منہ سے آہ
دو ملامل کر کے، میں گھر کو جلادوں تو سہی

وہ سوئے خواہ جاگے، جاویں گے کام کر کے
سرکیں گے ہم تو اپنا قصہ تمام کر کے

اتراؤ بہت، نہ پان کھا کے باتیں نہ کرو، چبا چبا کے

گریہ و نالہ و فریاد و فغاں رکھتے ہیں
عاشقوں میں ہیں، ترے ہم سروساماں والے

کہتا ہے مبارک، کوئی کہتا ہے سلامت
ہے روٹھ کے ملنا بھی، ملاقات مزے کی

اے ہم نشیں! تسلا مت پوچھ میرے جی کی
اظہار کیا کروں میں، ہے آرزو کسی کی

ہم کو تو یاد کوئی غزل ہے، نہ فرد ہے
مصرعہ ہے ایک یاد، سو وہ آہ سرد ہے

جوں سایہ، ساتھ ساتھ پھروں کیوں نہ یار کے
ہوں اختیار میں، دل بے اختیار کے
تارے جو گن رہا ہوں جدائی کی رات میں
گویا کہ ہوں عذاب میں روز شمار کے

لبریز فغاں، ہجر میں تاچلد رہوں میں
یہ عمر کا سافر، کہیں اب جائے چھلک بھی

جگ نو ٹکڑے ہوا، تیغ غم سے کٹ کٹ کے
خدا کرے نہ کسی کا کسی سے دل اٹکے
ہر ایک تار میں، افسوں جدا جدا ہے دلا
ہزاروں یاد ہیں زلف نگار کو لٹکے
نہ سوکھ سوکھ وہ کانٹا ہو کس طرح سے "نثار"
کہ جس کے دل میں سدا خار غم پڑا کھٹکے

بے کار کبھو رات کو بھی میں نہیں رہتا
جوں شمع، مجھے تا بہ سحر مشق فنا ہے
کیا قہر ہے ہم دیکھ کے خوش ہوتے ہیں جس کو
سو اس کی یہ صورت ہے کہ صورت سے خفا ہے

---

٦ معلوم حال میرا، یارو تمہیں نہیں ہے
بیٹھا تو ہوں میں تم میں، پر دل مرا کہیں ہے

آ بنی ہے اب "نثار" ناتواں کی جان پر
دیکھنا ٹک اے دل ناکام، تیرے واسطے

اُس آئینہ طلعت کی ، اب مجھ سے یہ صورت ہے
ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے

ہم سے کیا پوچھتے ہو ؟ گوہر دل کی قیمت
ہم نے مسکرا کر کہا آپ ہی ٹھہرا دیجیے

تھا جنھیں حسن پرستی سے ہمیشہ انکار
وہ بھی اب طالب دیدار ہیں ، کن کے ؟ ان کے

خنجر نہ کمر میں نہ وہ تلوار رکھے ہے
آنکھوں ہی میں چاہے ہے جسے ، مار رکھے ہے

ہے درد سے بے کل، جو ترا چاہنے والا
پہلو میں مگر دل کی جگہ ، خار رکھے ہے

کہتا ہے کوئی برق ، کوئی شعلۂ آتش
اک دم جو ٹھہر جائے ، تو اک بات ٹھہر جائے

بوندوں کی جھڑی کھولے ، آتی ہے گھٹا کالی
لا ساغر مے ساقی ، بدلی بھی ہے متوالی

سیماب ہے یا شعلۂ آتش ہے الٰہی
کیا چیز ہے سینے میں کہ دل جس کا لقب ہے

کیا کام ہوا ہم سے خدا جانئے ایسا
اپنا ہی، جہاں سنتے ہیں مذکور رہے ہے

نقاب اپنے منھ سے اُٹھادے اُٹھادے
تجلی کا جلوہ دکھادے دکھادے

جانے کا اپنے نام نہ لو تم، زبان سے
تم شہر سے گئے، تو گئے ہم جہان سے

یارو معاف رکھیو درخود نہیں رہے ہم
اب اختیار، اپنے ہاتھوں سے جارہا ہے

دل نہیں، ہوش نہیں، صبر نہیں، تاب نہیں
اب وہ، کس چیز کی خاطر مرے گھر آتا ہے؟

انکار تو نہ کر؛ مرے ہاتھوں سے پان لے
کافر! خدا کے واسطے یہ بات مان لے

اگر جھولے تو میرے دل کے جھولے میں تواے ظالم!
رگِ جاں، سے ترے جھولے کو، میں رسی بنائی ہے

تجھ بن ، چمن کی سیر ہے ، کیا یار لے گئے
جوں لالہ ، داغ سینے پہ دو چار لے گئے

حسرت

جعفر علی نام ، ابوالخیر عطار کے بیٹے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے - معمولی تعلیم پائی تھی لیکن شعر و سخن سے فطری مناسبت ہونے کی وجہہ سے مہارت اور کمال پیدا کر لیا تھا - زندگی کا بڑا حصہ فراغت سے گزرا ، آخر عمر میں فقیری نے رنگ میں آکر گوشہ نشین ہو گئے تھے - مشہور ہے کہ جس قدر ان کے تلامذہ تھے کسی شاعر کو نصیب نہ ہوئے ، اشعار میں جذبات کی موجیں ہیں ، خیالات بلند اور پاکیزہ ترکیبیں موزوں ہیں ، بندش چست ، بے ساختگی اور انداز بیان بہت دلچسپ ہے -

رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد اور جرأت اور خواجہ حسن کے سے مشہور اساتذہ فن کے استاد تھے - سنہ ۱۲۱۷ ھ میں وفات پائی [۱] -

---

کیوں مرے خون سے شمشیر کو آلودہ کیا
آپ نے رنج اٹھایا ، مجھے آسودہ کیا
زیست میں بادہ کشی ، حسن پرستی سے مرا
اس سوا جس نے کیا کام سو بے ہودہ کیا

---

[۱] - گل رعنا - گلشن ہند -

یوں خزاں آئي چمن پر ' هاے بلبل کیا هوا ؟
لاله و سوسن کہاں هیں ؟ سنبل و گل کیا هوا

دل پر نہیں اختیار اپنا افسوس ! کیسا قرار کیا
کي دل نے بهي آہ بے وفائي کوئي نہیں غم گسار اپنا
تو آنے کو یاں کے ' دن گنے هے هم کرتے هیں ' دم شمار اپنا
تیرا تو تب اعتبار کیجئے جب هووے کچھ اعتبار اپنا

'' شاید اس کوچے میں جاکر ' وہ بهي کهو آیا حواس
بولے هے بہکا هوا ' پیغام بر کو کیا هوا

مجهے تک سانس بهي' یه دردغم لینے نہیں دیتا
عجب کچھ درد هے دل میں ' که دم لینے نہیں دیتا
اجل سو بار آئي ' رنج میرا دور کرنے کو
ولے احساں ' مدعے تیرا کرم لینے نہیں دیتا
تمنا خاک کو میری قدم بوسي کي هے ' لیکن
چلے هے بچ کے وہ ظالم ' قدم لینے نہیں دیتا

پهر ادهر قتل کو ' آنکهوں سے اشارا نه کیا
جسم بسمل هي رکها ' کام همارا نه کیا

اے دل! اگر تڑپنا تھرا یہی رہے گا
کاہے کو تو جئے گا کاہے کو جی رہے گا
رہنے دے مے کو ساقی! ہم تو چلے یہاں سے
قسمت میں جس کی ہوگا، سو جام پی رہے گا

کوئی اپنا نہ آشنا دیکھا   جس کو دیکھا سو بے وفا دیکھا
بھولتا ہی نہیں وہ دل سے، اُسے   ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا

خدا حافظ ہے، کہیں محفل میں اُس کا نام آیا تھا؟
تڑپنے سے ابھی دل کو مرے، آرام آیا تھا

کیا مجال اس کی، کہاں تو اور کہاں میرا غبار؟
لگ چلا دامن سے، تیری مہربانی کے سبب
اپنے لب تو، وا کر اے خلندۂ زخم جگر
چرخ دے گا لاکھ غم، اس شادمانی کے سبب

نہ تیغ یار سے گردن پھراؤں میں ہرگز
کہ میں لطف سمجھتا ہوں میں، جفائے حبیب
پتنگے شمع کے صدقے ہوں، بلبلیں گل پر
کوئی کسی کا فدا ہو، میں ہوں فدائے حبیب

دن تو کٹتا ہے شغل میں، لیکن
درد دیتا ہے زخم کاری رات

وصل ہے ، مہندی کی آمد ہے ، ادھر آج کی رات
غم کا اس دل سے ہے ، آہنگ سفر آج کی رات
کل کو کیا جانئے ؟ صحبت یہ رہے یا نہ رہے
ساقیا ! جام جو بھرنا ہے تو بھر ، آج کی رات

آنکھوں میں دم تھا سو بھی چلا ، بے وفا ! پہونچ
آنا اگر ہے تجھ کو ، تو جلدی سے آ پہونچ

دیکھی نہ ایسی جنگ ، نہ میں زینہار صلح
سو بار دن میں لڑتے ہو اور سو ہی بار صلح
پیدائے رقیب ، صلح کے اب درمیان ہے
کس طور سے رہے گی میاں پائیدار صلح

مجنوں ! ترے ہی پاؤں کے ، ٹوٹے ہیں آبلے
ہر نوک خار سرخ ہے ، دیکھا ہے بن ، بن

جس کی قسمت میں رہائی تھی ، چمن جا دیکھا
فصل گل بھی چلی ، ہم تو رہے زنداں میں ہنوز
سیکڑوں بار کیا تو نے خراب اس دل کو
پر محبت ہے تری ، اس دل ویراں میں ہنوز
سووے آرام سے ، کس طور ؟ کوئی زیر زمیں
فتنۂ عشق تو بیدار ہے ، دوراں میں ہنوز

اپني خاطر، نہيں منظور رہائی مجھ کو
ہم ہوں آزاد تو ہو رنج سے آزاد قفس

مست میں تو ہوگیا، تیری نگہہ سے ساقیا!
اب نہیں مجھ میں رہا، مے اور پیمانے کا ہوش

قابل غارت نہیں، اس خانۂ ویراں کی بساط
دیکھ لے دست جنوں! میرے گریباں کي بساط

اتني مجھے نہیں ہے دل و جاں کي احتیاط
منظور جتني ہے ترے پیکاں کي احتیاط
گر ہے یہي بہار کي شورش، تو ناصحا!
تجھ سے نہ ہوسکے گي، گریباں کی احتیاط
وہ جس کو معصیت سے بچائے، وہي بچے
"حسرت"! نہ کام آئي کچھ انساں کی احتیاط

بہت مشتاق ہے سننے کا، "حسرت"
کوئي تو منھ سے کہہ، پھر خدا لفظ

جان جاتي ہے مري، درد و الم سے کیا کروں؟
آہ اے بے تابي دل، وائے شورش ہائے داغ؟

اک نظر دیکھا تھا کیا تجھ کو کہ آیا مجھ پہ ظلم
کیا کہوں میں ؟ ہوگئے سب اپنے بیگانے حریف

ہم کو نہ مرگ نے نہ قضا نے کیا ہلاک
اس کے ستم اور اپنی وفا نے کیا ہلاک

تری فرقت میں ہے شام و سحر مجھ کو ، عجب مشکل
جو شب کاٹی تو دن مشکل ، جو دن کاٹا تو شب مشکل
کرم سے کھول ! جو عقدے پڑے ہیں کام میں میرے
ترے آگے ہیں سب آساں ، مرے نزدیک سب مشکل
ابھی تو "حسرت" اس پر عشق یہ پوشیدہ ہے تیرا
وہ جب پہچان جائے گا تجھے ، ہووے گی تب مشکل

صبح روشن رہے ، گلشن میں مبارک گل کو
"حسرت" ! اپنی مجھے غربت کی ہے اس شام سے کام

آخر ترے غم میں ، مر گئے ہم — بھرنا تھا جو دکھ سو بھر گئے ہم
عقبیٰ کی بھی ، کچھ خبر نہیں ہے — دنیا سے تو بےخبر گئے ہم
کر تک تو اثر ، کہ اپنے جی سے — اے نالۂ بے اثر گئے ہم
شبنم کی مثال ، اس چمن میں — شب آئے تھے ہم ، سحر گئے ہم
واماندوں پہ دیکھئے کہ کیا ہو ؟ — اپنا تو نباہ کر گئے ہم

نہ ہووے درد کیوں کر؟ آہ صبح و شام پہلو میں
کہ دل لیتا نہیں اک آن بھی آرام پہلو میں

بھلادیں یار نے دل سے ہمارے اور بھی یادیں
عجب تاثیر یہ رکھتی ہیں اہل دل کی فریادیں

جو بیتابی، دل عشاق کی باطل سمجھتے تھے
مرے سینے پہ آکر اُن دنوں وہ ہاتھ دھر دیکھیں
لگیں تھیں آہ اک مدت سے جس کے ساتھ یہ آنکھیں
سو غائب ہوگیا آنکھوں سے اپنی، اب کدھر دیکھیں
سدا آہٹ لگی رہتی تھی ہم کو، جس کے آنے کی
سو کس اُمید پر اب ہائے ہردم سوئے در دیکھیں

نہ دیکھ اے شیخ تو ان کی طرف چشم حقارت سے
گدایان خرابات اک نگہ میں شاہ کرتے ہیں
قفس میں ہم نہیں کچھ بولتے صیاد کے ڈر سے
چمن کے مرغ، نالے اپنے خاطر خواہ کرتے ہیں
سخن آورد کا "حسرت" نہ پہونچے درد کو ہرگز
کہ دل پر، آہ نکلے ہے تو اِس پر واہ کرتے ہیں

دشت میں کر، چلنے کی تدبیر ہونا ہو سو ہو
توڑ دیوانے تو اب زنجیر، ہونا ہو سو ہو

موت آجائے کہیں اس دل شیدائي کو
روز سمجھائے کہاں تک؟ کوئی سودائي کو
ناتواني سے تڑپنے کی بھی طاقت نہ رہی
کس طرح کاٹیے یارب! شب تنہائي کو

ہرآن ہے مژگاں پر لخت جگر تازہ
یہ نخل محبت میں دیکھا ثمرِ تازہ

زنہار نہیں پیارے یہ وضع پسندیدہ
ہرآن ہو آزردہ ہروقت ہو رنجیدہ
آ نکلے اگر ایدھر، کیا کیجئے نثار اس پر
اک جان ہے سو والہ، اک دل ہي سو شوریدہ
ایک عمر ہمیں گذري وصلت کا نہ دن دیکھا
جاگیں بھی کہیں یارب! یہ طالع خوابیدہ

جگر سوزاں ہے دل بے تاب ہے اور چشم گریاں ہے
اِلٰہي! دن ہے میري مرگ کا یا شام ھجراں ہے
جو ایسا ہی دل دیوانہ میرے درپئے جاں ہے
تو پھر اک روز میرا ھاتھ اور اُس کا گریباں ہے

شروع عشق ہے اے ہم نشیں اور جوش سودا ہے
نہ کر زنجیر مجھ کو میں ہوں اور دامانِ صحرا ہے

نہیں چمن ایک آن، کیا کیجئے ؟
مفت جاتی ہے جان کیا کیجئے
تجھ سے کیا کہئے درد دل لیکن
نہیں رکتی زبان کیا کیجئے
آشیاں ہی اجڑ گیا اپنا
وہ کے اے باغباں کہا کیجئے

موا بھی میں، تو تری چشم کی کہو نہ گئی
یہ شکر ہے کہ کہاجی پہ آبرو نہ گئی
بہار ہو چکی اور شور بلبلوں کا گیا
مرے دماغ سے اس گل کی ہائے بو نہ گئی
غبار ہو کے صبا سے ملے کہ واں پہونچے
غرض کہ خاک ہوئے تو بھی آرزو نہ گئی
نہ جانوں کیا تجھے الفت تھی گل سے اے بلبل
کہ اپنے جی سے گئی، پر چمن سے تو نہ گئی

پٹکئے دے مجھے سر اس کے آستانے سے
خبر کروں ہوں میں اپنی، اسی بہانے سے
مثال نقش قدم، یاں سے اٹھ نہیں سکتے
تری گلی میں نہ جانا، بھلا تھا جانے سے
تسلی ہے دل بیمار کو ترے باعث
خدا کے واسطے مت اٹھ ! مرے سرھانے سے

کسی کا حال کوئی پوچھتا نہیں ہرگز
وفا کا رسم اٹھا " حسرت " ! اس زمانے سے

کھینچتا ہوں نالۂ جاں کاہ ' دل کے ہاتھ سے
آہ دل کے ہاتھ سے ' صد آہ دل کے ہاتھ سے

مجھ کو تجھ سے خدا ' جدا نہ کرے
تجھ سے میں ہوں جدا ' خدا نہ کرے
اُڑ گئی پر سے ' طاقت پرواز
کہیں صیاد اب رہا نہ کرے
تم جو کہتے ہو کہہ دو " حسرت " سے
آہ و فریاد یہاں کیا نہ کرے

سرشک و خون ' مری چشم سے ملے نکلے
مگر یہ پھوٹ کے سینے کے آبلے نکلے
تمام دن تھے جدا ' آہ شمع و پروانہ
ملے جو شب کو تو آپس کے سب گلے نکلے
سراغ پوچھوں میں کیا ؟ اشک و آہ کا دل سے
کہ اس دیار سے ہو ' کتنے قافلے نکلے

واعظ نے قیامت کی اک بات بتائی ہے
کہتے ہیں جسے محشر ' سو روز جدائی ہے

معلوم ہے مجھ کو کہ میں تجھ بن نہ جیوں گا
کیوں کر نہ کروں تجھ سے میں انکار جدائی

——

ترے بن، کس طرح یارب مری اوقات گزرے گی
الٰہی! دل کو بے تابی ہے کیونکر رات گزرے گی

——

تمہیں غیروں سے کب فرصت، ہم اپنے غم سے کم خالی
چلو بس ہوچکا ملنا نہ تم خالی، نہ ہم خالی

——

نہ تنہا مشت خس کے پھونکنے سے باغباں گزرے
ہمارے آشیاں سے برق بھی دامن کشاں گزرے
گذر اس کا ادھر ہو یا ادھر اپنا گذارا ہو
جو اپنی گردشوں سے ایک دم بھی آسماں گذرے
جو کچھ شرط وفا تھی سو بجا لائے ہیں ہم دونوں
نہ گذرے تم ادھر اور اپنے جی سے ہم یہاں گذرے

——

کہہ بیٹھے برا ملنے سے، بھلا اور بھی کچھ ہے
دشنام ہی دی جاتی ہے یا اور بھی کچھ ہے

——

ہمارے کام پہ ہرچند، آسمان پھرے
تجھے قسم ہے جو تو اس طرف کو آن پھرے

——

رونا نہیں جو یارو! اپنا دیار چھوٹا
مرنا ہے یہ کہ ہم سے اب کوئے یار چھوٹا
قول و قرار اس کا ' جھوٹا ہوا تو غم کیا
غم ہے کہ اپنے دل سے صبرو قرار چھوٹا
رونے سوا نہیں ہے فرقت میں کام اپنا
یہ کام ہے نہ تجھ بن سب کارو بار چھوٹا

ضبط کر کے ہم قلق کو دل میں ' گھبرائے بہت
منع بے تابی کیا پر اس میں دکھ پائے بہت
دل کو لے آئے تھے اس کوچہ سے ہوکر ہم خفا
پر دل و جاں ہم پہ اب مل کر بلا لائے بہت

جانی رہی غم سے ' دل ناشاد کی طاقت
سو ظلم کرے وہ ' کسے فریاد کی طاقت

سو گئے تم ' ہمیں نہ آئی نیند کس طرح سوئے پرائی نیند
چشم گریاں ہے مدت میں یارو سیل میں اشک کے بہائی نیند

اے برق ! آشیاں پہ مرے تو گذار کر
جاوے اب اس چمن سے مری بود و باش کاش

دے تو بیٹھا وہ ناز سے گالی شرم سے پر نہیں اٹھائی آنکھ

کچھ دل میں جلوں تیرے ارماں نہ رہ جاوے
کی جیب تو سو ٹکڑے داماں نہ رہ جاوے

(ساقی نامہ)

کیفی اس کے ہمک رہے ہیں
اللہ اللہ بہک رہے ہیں
یہ ہیئتہ عجب خلل ہوا ہے
دل آبلہ بغل ہوا ہے
ساقی تجھے جام کی قسم ہے
میخانے کے نام کی قسم ہے
اپنی تجھے سرکشی کی سوگند
مت رکھیو خرد کا مجھکو پابند
ہردم ہے خزاں چمن کے درپے
لاتا ہے تو لاوے ساغر مے
تجھ کو اپنی ادا کی سوگند
تجھ کو دل بے وفا کی سوگند
برسات کی بدلیاں یہ کالی
اور تو رکھے اپنا جام خالی
رہ جائے گی اتنی یادگاری
ہم سے ساقی نے کی نہ یاری [1]

---

[1] انتخاب حسرت -

قسمت

(نواب) شمس الدولہ نام و لقب بارگاہ قلي خاں کے بیٹے تھے مرثیہ اور سلام میں بقول مصحفي ید طولے رکھتے تھے ' غزل میں زبان اور محاورہ بندي کے علاوہ جذبات تغزل کم ھیں جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے -

---

جوں ماہ منور ھو ' شب تار ھماري
" قسمت " ! وہ اگر چاندسی صورت نظر آوے

کہتے ھیں یوں چمن میں پھر آئی بہار گل
شکر خدا ' کیا تھا بہت انتظار گل

اگر تسبیح ھاتھ آتي نہیں ھے تیرے اے " قسمت " !
تو دانے توڑ ڈال اس کے کہ پھر زنار ھاتھ آوے

قاصد ! ترا گذر ھو اگر کوئے یار میں
کہیو کہ آرزو میں تري ' مرگیا کوئي

آتی نہیں کسي کي جو یارب صدائے پا
وا ماندہ گان قافلہ ' یارب ! کدھر رھے

آتا نہیں شب کو خواب ' تجھ بن
بیداری ہے عذاب ' تجھ بن
اے ماہ سپہر خوب روئی
سر کھٹا ہے آفتاب تجھ بن
سینے سے نکل پڑے گا گویا
ہے دل کو یہ اضطراب تجھ بن
"قسمت" کی بھی تجھ کو کچھ خبر ہے
دیکھا میں اسے خراب ' تجھ بن

مرے اس خستہ دل کو پاس اپنے ' یار رہنے دے
کوئی پوچھے تو کہنا میرے عاشق کی نشانی ہے

شب ہجراں ہے اور میں ہوں یہ آنکھیں اور آنسو ہیں
اذیت ہے ' مصیبت ہے ' نہایت ناتوانی ہے [۱]

مملون

مہر نظام الدین نام ' فخرالشعرا لقب تھا ' مہر قمرالدین منت کے بیٹے تھے محمد اکبر شاہ بادشاہ دہلی کے استاد تھے - پانی پت میں پیدا ہوئے ' دہلی میں تعلیم پائی ' عرصہ تک لکھنؤ میں رہے -

---

[۱] تذکرہ مصحفی -

کلام میں روانی بھی ہے، اور لطف بندش بھی، تلمیحات تصوف و ضروریات تغزل دونوں موجود ہیں اپنے والد کے شاگرد تھے - مفتی صدرالدین آزردہ کے استاد تھے، سنہ ۱۲۹۰ع میں وفات پائی -

---

دیکھ کے نور جمال، سوچ کے کلۂ کمال
مائل حیرت نظر، قائل حسرت ذکا
باز ہو گر راہ دید، تو ہے ہر اک سو پدید
آئینہ خانہ جہاں، حسن ترا جلوہ زا

موسی دل رہ خموش ! دل ہی میں رکھ دل کے جوش
اس کے جھگڑے سے ہوش، کس کے رہے ہیں بجا
پائے خرد آبلہ، سعی بلا راحلہ
عرصۂ کہ معرفت، بے سرو بے انتہا
خوں میں تپاں سو بہ سو، جان دو صد آرزو
ہر طرف اس دشت میں، معرکۂ کربلا
ترس ملاجاتہاں نار خزاباتہاں
کر کے گمان غضب، رکھ کے یقین عطا
سہل ہے صندوق راز، نطق کرے قفل باز
ایک ہے گنج ہنر، ایک خرابہ کہا
یہ جو ہے "ممنوں" ترا، بندۂ دل خوں ترا
تجھ سے ہی چاہے تجھے، کس سے کرے التجا

، تجھے ، نقش هستي مٹایا تو دیکھا
جو پردہ تھا حائل ، اٹھایا تو دیکھا ۱۰
یہ سب ، تیرے هي حسن کا پرتوا ہے
نہ دیکھا تجھے ، تیرا سایا تو دیکھا

گماں نہ کیونکہ کروں تجھ پہ دل چرانے کا
جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا
و فور گریہ ، ترحم ! هجوم نالہ ، کرم !
کہ ہے ارادہ ، اُسے درد دل سنانے کا

الهي جیب ، کہ دامن کہ آستیں ، دھوؤں
مژہ نے سیکھ لیا ، شغل خوں فشانی کا

رشک اُس پر ہے ، کہ یوں مر کر جو بسمل رہ گیا
سر قدم پر ، ہاتھ میں دامان قاتل رہ گیا
چل بسے پیش از سحر ، تھے جو رفیقان سفر
آہ اک سوتے کا سوتا ، میں هی غافل رہ گیا

غش سے همیں افاقہ ، دم بھر کبھو نہ آیا
جب تک صبا کا جھونکا ، لے تیری بو نہ آیا

دیا کہہ گئے اٹھا ، بیمار کو تمہارے
کہتے ہیں ، آسرے پر اس کو خدا کے چھوڑا
" مملوں " ! مئے محبت ، پی سہل مت سمجھ کر
یہ جام ، کب کسی نے منھ سے لگا کے چھوڑا

سینے میں ایک نفس بھی ، نہ ترا تیر رہا
خون حسرت میں تڑپتا ، دل نخچیر رہا
ہائے رے بے کسی دامن و بے یاری جیب
کہ مرا دست جنوں ، بستۂ زنجیر رہا

غمزے نے کس کے ؟ تیغ لگائی کہ چشم میں
اندازِ صد نگاہ تمنا ، لہو ہوا

اس کی آنکھوں سے ستاروں کی نمک ریزی پوچھ !
صبح تک جس کا کھلا دیدۂ بے خواب رہا

گلہ میرا ہے ، رنگ چہرہ گونا گوں ہو مجلس میں
اشارہ غیر سے کرنا ، گلہ ہے جان من کس کا

تھا حسن میں نہ رنگ ادا کا ، نہ ناز کا
یہ نقش یادگار ہے ، آئینہ ساز کا

اے اشتیاق بیعت سلمٰی! تیرے ہاتھ سے

چھٹتا ہے ساتھ، راہروانِ حجاز کا ۱

تصویرِ بت چھپائی ہے "مسلمٰی" نے سجدے کو

گوشہ اُلٹ کے دیکھو تو تک جانماز کا

کس بے ادب کو، عرضِ ہوس ہر نگہ میں تھی

آنکھ اس کے بزم میں، نہ اٹھائی تمام شب

لگ اٹھی آگ، قفس میں صیاد!

برق ہے، اپنے نفس میں صیاد!

یہ نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائے گا

ہم یہ سمجھے تھے، چلے آئیں گے دم بھر دیکھ کر

آہ کس کا دل زخمی ہے تہ خاک، ہنوز

کہ نکلتے ہیں لئے گل، جگر چاک ہنوز

کیوں کریں؟ ہاتھ کو اب ہم سوئے مغرور، دراز

پاؤں، بیٹھے ہیں کیے ہم طرف گور دراز

دل خروشاں یہاں ہے، لب خاموش

خم سر بستہ میں بھرے ہیں جوش

کون محفل میں' اب ہوا ساقی
ہر طرف سے ہے' بانگ نوشا نوش

کیا عشق کی ہے صید گہ' یاں نیم زخم تاو کو
بے تاب اک جانب خضر' مضطر مسیحا اک طرف

ساتھ اپنے' گر گیا دل بے تاب زیر خاک
تو ہو چکا نصیب مجھے خواب' زیر خاک

اے برق بس اُلجھ کہ نہ اُڑ جائیں دھجیاں
دامن اُٹھا کے آئیو ا اِس آشیاں تلک

ہے تیری بوئے عطر گریباں سے' مست گل
گل سے چمن' چمن سے ہوا' اور ہوا سے ہم

ہونے پایا مرے قاصد کا نہ پیغام تمام
تھا سخن لب پر کہ قاتل نے کیا کام تمام
طپش دل نے نہ چھوڑا کہ کبھی ہم اک بار
لائیں تسکیں کے لئے' لب پہ ترا نام تمام

"ممنوں" ! جیتے رهے شب هجر
ملے وصل میں کیا دکھائیں گے هم ۱

چشم گریاں، ترے رخسار پہ شب تھی کس کی
شہلم آلودہ سا، کچھ فکر سفر ہے کہ نہیں

صورت نقش قدم، مجھ سے اُٹھا جائے کہاں
اس سر راہ پہ بندہ ہو رہا، جائے کہاں

خم میں بیٹھا جو فلاطوں تو یہ کہتا تھا سپہر
رہ ! تری خاک کو، میں صرف سبو کرتا ہوں

صبا پیغام یہ کہیو ہمارا، هم صفیروں کو
سنا جایا کرو، آواز گاہے هم اسیروں کو

آپ کو خاک کیا، خاک کو برباد دیا
کوششیں کی ہیں دم عشقِ فنا، کیا کیا کچھ

یارب، یہ کس کا کوچۂ دل کش ہے، جو ادھر
جاتا ہے جی کھنچا مرا، ہر اک قدم کے ساتھ

روش کچھ اور ہے اس کی ' مرے طریق ہیں اور
دلا ! نظر نہیں آتی ہے کچھ نباہ کی راہ

پاؤں " مسلوں " نے نکالے ہیں بہت ' دیکھو تو
ہیں بھی اس شہر میں زنجیر ہلانے والے

کہلا نہ ' حالت " مسلوں " ہے کیا ؟ یہ دیکھیں ہوں
کہ ہاتھ ' دو دو پہر تک دل طپاں پر ہے

غمزے کو پھر ہیں کا وشیں ' اس دل پاش پاش سے
قطرۂ خوں ہے دو بدو ' دشنۂ جاں خراش سے
وصل میں بھی نگاہ شوق ' تامژۂ یار ' نہ آ سکی
عشوہ کے اہتمام سے غمزے کی دور باش سے
حسرت و یاس ورنج و غم ' منتظمت و قصہ ' درد وسوز
خانۂ دل کو ' اٹے ہیں ڈھونڈھ کے سو تلاش سے

دماغ اس شور ہستی کا کہاں نازک دماغوں کو
مگر اب ' خواب راحت ' زیر دامانِ عدم کیجئے
بھری آتی ہے چھاتی ' یاد میں یاران رفتہ کی
یہ دل اور اس قدر صدمے ؟ بھلا کس کس کا غم کیجئے

کرنے نہ پائے نہم تبسم ' کہ بس چلے
جوں غنچہ ' رنگ گلشن ہستی پہ ہنس چلے

رکے ہے ' ضبط سے دم ' آہ سے جگر اپنا
یہ ضبط کرتے ہی بس آئے ہے دہ ہو گئے
سنا ہے " مسدوں ' آ مرز گار اس کا نام
اس آسرے پہ ' نہ کیا کیا ' یہاں گناہ کئے

بے طاقتی نے جس جا ہم کو بٹھا دیا ہے
پھر اضطراب دل نے واں سے اٹھا دیا ہے
خوبی یہ ناز اپنی ' جو کیجئے سجا ہے
مکھڑا خدا نے تم کو اک چاند سا دیا ہے [۱]

وفا

نول رائے نام ' خوش گزران اور خوش اوقات تھے - بعض قول کے مطابق خواجہ حسن کے معاصر تھے - کلام میں قدرت اور مہارت کا رنگ ہے اس کے ساتھ ضروریات غزل بھی یعنی سلاست اور روانی بھی ہے ' طرز بیان میں خوبی بھی ' لیکن اثر کم ہے -

عارض پہ تمہارے ' یہ پسینا ہیرے کا ہے ' لعل پر نگینا
اس غم میں بڑی ' گر رہا سلامت پتھر سے بھی سخت ہے ' یہ سینا

---

[۱] انتخاب حسرت -

پہلے تو دل سہج میں ، گرفتار ہوگیا
اب چھوٹنا یہ زلف سے دشوار ہوگیا

کہیے ہے کس سے ؟ دل ، احوال اپنا
پڑا ہے یاں ہمیں ، جنجال اپنا

کل دل کو لیا ، مکر گئے آج
بس ! آپ کا اعتبار دیکھا

حباب آسا نہ بھول ! ہستی پر اپنی
کہ غافل ! کیا بھروسا ہے نفس کا ؟

اُس کو ، منظور یاں سے جانا تھا   گریہ میرا ، فقط بہانا تھا
دل نہ کرتا تھا اس طرح سے خراب   عاقبت ، وہ ترا ٹھکانا تھا

شعلہ زن ہے ہمیشہ ، داغ اپنا   بجھ نہیں جانتا ، چراغ اپنا

اپنی غرض کو ، ہم تو سبھی کچھ سہیں گے ، لیک
ہوتی ہے گالیوں سے ، تمہاری زباں خراب

عشق میں ، امتیاز رتبہ نہیں   خاک پائے ایاز ، ہے محمود

بت سے لیتے ہیں کار، حضرت حق
شمع تک دیکھے اعتقاد ہنوز

ہونے کا دل سے محو، غم یار کب تلک
کہیں ہم نشیں! یہ جاوے گا آزار کب تلک ؟
کہنے لگا وہ، سن کے مرا نالۂ و فغاں
یارب! جیا کرے گا یہ بیمار کب تلک ؟

نوبت، غم فراق میں پہنچی ہے، جاں تلک
ظالم! شکیب و صبر پھر آخر کہاں تلک ؟

اک راہ کوئے زلف، سو سربستہ اے وفا!
ہم آہ کس طرف کے تئیں لیں سراغ دل

کچھ خیریت نہیں نظر آتی مجھے، اکہ آج
لگتے ہیں اس کے کان سے اغیار، دم بہ دم

بس کہ اپنے انقلاب بخت سے ڈرتے ہیں ہم
بستر گل پر بھی سوزاں ہی، قدم دھرتے ہیں ہم

شعلہ، درہم باز سے ہوتا نہیں اے اہل بزم
شمع، سو جلستی ہے کر کر یاد، پروانے کے تئیں

شیخ ! کچھ فرق ہے تیرے ہی نظر آنے میں
ورنہ ہے ایک وہی، کعبہ و بت خانے میں

اپنی ہی چشم کے تئیں، تاب نظر نہیں
ورنہ وہ آفتاب، کہاں جلوہ گر نہیں

حسن عمل پہ اپنے، نہ بھول اس قدر کی شیخ
واں کے معاملے سے کسی کو خبر نہیں

پھول بھٹے، لب دریا جو نہ دیکھے ہوں تو آ
ساتھ آنسو کے ہیں، یاں قطرۂ خوں تاب رواں

بہتر ہے، اک نگاہ پہ دل کے تئیں "وفا"
لینا ہو گر تمہیں تو کچھ اتنا گراں نہیں

مے کشوں نے، مے میں پایا، بلگیوں نے بلنگ میں
مل رہا ہے وہ، طرح پانی کی ہر اک رنگ میں [ا]

[ا] مخزن نکات -

واقم

بندرابن نام، قوم کائستھ، دھلی کے رھنے والے تھے - ان کی شاگردی کے متعلق مختلف اقوال ھیں، بعض، مرزا مظہر کا شاگرد بتاتے ھیں - بعض سودا کا اور کوئی میر کا شاگرد کہتا ھے، مگر صحیح یہ ھے کہ میر ھی کے شاگرد تھے کیونکہ خود میر نے ان کو اپنے تذکرے میں اپنا شاگرد بتایا ھے، آخر میں "سودا" کو بھی کلام دکھاتے تھے - فن شعر کے ماھر تھے، اور خوب کہتے تھے - ان کے اشعار میں روانی کافی ھے، غزل میں رنگ کسی قدر پھیکا ھے، تاھم لطف سے خالی نہیں -

---

دل، کنج قفس میں کر یاد بہت رویا
ھنسنے کے تئیں گل کے، کریاد بہت رویا

نامہ کا میرے، اس سے لے کر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے، قاصد! شتاب پھرنا
اک وے بھی دن تھے یارب! جو تھا ھمیں میسر
گلشن میں ساتھ اس کے، پیتے شراب پھرنا

نہ ترے عشق میں بلبل ھی کو، نالاں دیکھا
چاک ھر گل کا، گلستاں میں گریباں دیکھا

سلتے هیں هم، که هوتی هے جگ میں دوام صبح
هوگی کبھی اے چرخ! هماری بھی شام، صبح

کہے کیا، دود دل بلبل گلوں سے
اُڑا دیتے هیں اس کی بات هنس کر
جو چاهے گوهر مقصود اے دل!
صدف کی طرح تو پاس نفس کو

صیاد کیا تو چھوڑے گا مجھ کو، قفس سے آہ
کھٹکے هے میری دل میں بہت، خار خار باغ

اے عشق! مجھے کوئی طرح مار
تا یار کہے کہ هائے عاشق

کس کے گلے کے قطرۂ خوں، هیں تہ زمیں
جوں تکمہ، اُگتے هیں گل اورنگ اب تلک

ابر ترسے، چشم گریاں کم نہیں
موج دریا هے، شکنج آستیں

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے، کچھ غرض
مجھ کو قسم هے، چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں

اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں درد دل کہیں، ٹک بیٹھ کر کہیں

دیکھا نہ ہو جسے میں، کوئی سا زمیں نہیں
پر تخم دل ہو سبز جہاں، سو کہیں نہیں
سنتے تھے ہم جہان میں، اہل کرم کے هاتھ
آ یا جو دید میں تو کرم ار آستیں نہیں

مری بد شرابیوں سے، کریں توبہ مے گساراں
زهے وہ عمل کہ ہو وے، سببِ نجات یاراں

کم عاشقوں کے کچھ تجھے منظور ہي نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہي نہیں
کہتا تھا کون یہ، کہ خوشي تھی جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یاں کوئي مذکور ہی نہیں

یاں تک، قبول خاطر کیجے تري جفا کو
تا سب کہیں کہ "راقم! رحمت تري وفا کو"

معصیت میري بہت ہے، یا کہ بخشش تیري بیش
اپني رحمت پر نظر کر! میري عصیاں کو نہ دیکھ

مژگاں سے دل بچے تو ' ٹکڑے کرے ہے ابرو
یہ کہہ کے میں نے اُس سے جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ " ترکش جس وقت ہو وے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی "

پہونچا نہ آہ درد کو ' میرے کوئی طبیب
یارب ! عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

بیچوں ہوں میں اُس پاس ' یہ دل نیم نگہہ کو
اس پر بھی ستم ہے ' جو خریدار نہ ہو وے

رونے میں اس قدر تو جگر ' اے جگر نہ کر
دیکھا نہ تونے کچھ کہ دل و دیدہ کیا ہوے [۱]

فیض

(مہر) شمس الدین نام ' دکن کے رہنے والے امیر اور فارغ البال فاضل اور صوفی تھے ' اشعار میں ہندی الفاظ اور محاورات اکثر لاتے ہیں تاہم صاف اور سلیس کہتے ہیں - متعدد کتابوں کے مصنف تھے - وفا کے کئی دیوان بھی ہیں جو چھپ بھی گئے

[۱] مخزن نکات - نکات الشعرا - چمنستان شعرا -

میں - سنہ ۱۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۸۲ھ میں
وفات پائی [۱] -

کفر جو تھا، دین مرا ہوگیا　　بت بھی، نصیبوں سے خدا ہوگیا
کیسی دوا! مجھ کو مسیحا نے دی　　درد محبت کا، سوا ہوگیا

حرم میں، دیر میں، جب کوئی رو نہ رو آیا
مجھے یقین ہوا بس یہی کہ تو آیا
اُڑائیں جیب کی لاکھوں ہی دھجیاں میں نے
مگر نہ ہاتھ میں دامانِ آرزو آیا
کسی کا کوئی بھی ممنوں نہیں ہے کر انصاف
اِدھر سے میں نکل آیا، ادھر سے تو آیا

کریں ہم کس کی پوجا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم
صنم ہم، دیر ہم، بت خانہ ہم، بت ہم، برہمن ہم
در و دیوار ہیں نظروں میں اپنی، آئینہ خانہ
کیا کرتے ہیں، گھر بیٹھے ہوئے آپ اپنا درشن ہم
کب اُٹھتے ہیں اُٹھائے سے کسی شیخ و برہمن کے
درِ دلبر پر اپنے، مار کر بیٹھے ہیں آسن ہم

---

[۱] دکن میں اُردو -

خط جادو ہوں یا میں نقش پا ہوں
فرض ' افتادگی کا رہ نما ہوں
عبث رکھتے ہیں مجھ پر تہمت مرگ
بہت راتوں جگا تھا ' سو رہا ہوں
نہ کر! اس چشم کا پھر مجھ کو بیمار
ابھی اے "فیض" مر مر کے جیا ہوں

نہیں فرق کچھ دیر میں اور حرم میں
جو بت چاہتے ہیں ' خدا چاہتا ہے [۱]

خاموش

(شاہ) معین الدین نام ' بیدر (دکن) کے رہنے والے تھے صابریہ طریقے کے فقیر تھے ' کلام میں تصوف کا رنگ ہے ' اس کی خاص خاص اصطلاحیں موزوں طریقے سے لائے ہیں ' زبان عامی زیادہ ہے سنہ ۱۲۸۹ء میں انتقال ہوا [۲] -

---

[۱] دکن میں اُردو -

نوٹ - یہ بھی دکن کے رہنے والے لیکن دھلي کے پیرو تھے - مرتب -

[۲] دکن میں اُردو -

نوٹ - فیض اگرچہ دکن کے رہنے والے ہیں ' لیکن دھلي کے شعرا اور وہاں کی شاعری کے پیرو ہیں اس لئے ان کا نام شعرائے دھلي کے سلسلے میں درج کیا گیا - مرتب -

کفر ، کافر کو بھلا ، شیخ کو اسلام بھلا
عاشقاں آپ بھلے ، اپنا دل آرام بھلا

شکل انساں میں خدا تھا ، مجھے معلوم نہ تھا
حق سے ناحق میں جدا تھا ، مجھے معلوم نہ تھا
ایک مدت ، حرم و دیر کو ڈھونڈھا ناحق
سم بر ، بر میں چھپا تھا ، مجھے معلوم نہ تھا
ہو کے "خاموش" عجب سیر و تماشا دیکھا
رنگ بے رنگ ہوا تھا ، مجھے معلوم نہ تھا

آشیاں اپنا ، گلستاں سے اٹھا لے بلبل
داغ کو چھوڑ دے ، جنگل کی ہوا لے بلبل
چہچہے کرتی ہے کیا ؟ اس سے نہیں کچھ حاصل
مثل پروانہ پر و بال جلا لے بلبل

چڑھا ہے سولی پہ خاموش ہو کے ، جب منصور
سوائے حق ، نظر آئی نہ دار ، آنکھوں میں [۱]

امین

(خواجہ) امین الدین نام ، عظیم آباد کے رہنے والے تھے - ان کے خمیر میں دوستی اور دوست پروری تھی ، کچھ دنوں

---

[۱] دکن میں اردو -

مظفر جنگ بہادر کي مصاحبت میں رہے ' اُس کے بعد گوشہ نشین ہوگئے - مضمون کي تلاش میں آمد کی پروا نہیں کرتے ' بندش اور صفائي میں اُن کا کلام ممتاز ہے -

ان کا ایک مختصر دیوان ہے ' سنہ ۱۲۵۹ ھ تک زندہ تھے -

دنیا میں جو آکر نہ کرے عشق بتاں کا
نزدیک ہمارے ' ہے یہاں کا نہ وہاں کا
مانند نگیں آپ سے کاوش میں پڑا ہے
مشتاق جو کوئي ہے ' یہاں نام و نشاں کا

گھر مرے آنا اگر منظور تھا
آئے ہوتے لطف سے کیا دور تھا ؟

جس کا دل آپ نے لیا ہوگا
خاک میں لے ملا دیا ہوگا
ہم کو کیا ' گر بہار آتی ہے
دل ' وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا
مل گیا ہوگا خاک میں ' جوں اشک
تیري آنکھوں سے جو گرا ہوگا

شور ہے عالم میں ' تیرے حسن عالم گیر کا
تو ہی ہوگا ' گر کوئی ہوگا تري تصویر کا

دیکھ بہال ، اِس دل صد چاک کو لیکے ہیں بتاں
میں نے یہ شیشہ کہا ، کیا ہی هنر سے پیوند ؟

ڈر سے تیرے ، نالہ بھی نکلتا نہیں لب سے
ظالم ! ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا پر

دل خیال زلف میں ، بے خواب و بے آرام ہے
رات ہوتی ہے " امیں " بھاری ہر اک بیمار پر

کیا کہوں ؟ یار سے ، اپنی سی کہے جاتا ہوں
گالیاں کھاتا ہوں ، غصے کو پئے جاتا ہوں
جی نکلتا ہے ، یہ لب یاد میں هلتے ہیں ترے
مرتے مرتے بھی ترا نام لیے جاتا ہوں

چاک سینے کا مرے لوگ عبث سیتے ہیں
ہم تو زخمی ہیں نگاہوں کے ، مگر جیتے ہیں
فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکر معاش
غم کو کھاتے ہیں " امیں " خوں جگر پیتے ہیں

بتاں ، مجھ سے کہتے ہیں کیا کچھ نہیں
و لیکن جو دیکھا ، تو تھا کچھ نہیں

میں بوسہ جو مانگا ، تو جھنجھلا کے وہ
لگا کہنے : " کیا ہے " ؟ کہا ، کچھ نہیں

مجھے تو کبھی عمر بھر غم نہ ہو
ملاقات تیری اگر کم نہ ہو
میں در گذرا صاحب سلامت سے بھی
خدا کے لیے اتنا برہم نہ ہو
ہم آنے کو مانع نہیں غیر کو
پر اتنا بھی خلوت میں ہردم نہ ہو
" امیں " کی غذا اب رہی ہے یہی
الٰہی ! یہ خونِ جگر کم نہ ہو

ہوئی ہے آشنائی جب سے اُس بے نوش سے مجھ کو
جو صاحب عقل ہیں کہتے ہیں اہل ہوش سے مجھ کو
بھڑکتا ہے جگر میرا ، دل پر داغ کی دولت
" امیں " جلنا پڑا اس آتش خاموش سے مجھ کو

کیا کہیں ؟ درد آہ کی تاثیر ؟
گھر کا گھر ہے سیاہ ، مت پوچھو
مفت مارا گیا ، ہزار افسوس
تھا " امیں " بے گناہ ، مت پوچھو

جب دکھاتا ہے وہ شرابی آنکھ
وہ نہیں جاتی ہے گلابی آنکھ
لطف دل کتھ رہے ہیں مژگاں سے
ہے مکرر خانۂ کبابی آنکھ

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
عمر کٹنے کو کٹی ' پر کیا ہی خواری میں کٹی ؟
صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہجر کی جب رات ' ایسی بے قراری میں کٹی
تیری آنکھوں کی پرمکاری میں دل کھویا گیا
ہائے اس بیمار کی ' بیمار داری میں کٹی
اس زمانے میں ' "امیں" ' مت کر کسی سے دوستی
شمع کی گردن ' نہ دیکھی ' دوست داری میں کٹی ؟

رنگ چہرے کا زعفرانی ہے عاشقی کی ' یہی نشانی ہے
کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھ کو ؟ دیکھا یوسف سو تیرا ثانی ہے
شمع رویاں سے اتنا گرم نہ مل ان کی جو بات ہے ' زبانی ہے
رات دن جھینکتے ہی جاتا ہے کیا ' امیں ' ایسی زندگانی ہے ؟

خضر نے اک دم پیا تھا ' لے کے آب زندگی
مانگتے ہیں اب تلک ' اس سے حساب زندگی
کیا بھلا اس بے کدے میں ' جی کسی کا شاد ہو
مر گیا آخر کو ہی جن نے شراب زندگی

معلنئي آرام کیا ھے ؟ تو نہ کچھ سمجھا " امیں "
هم تو مدت سے اُلٹتے هیں کتاب زندگي

جتنے تھے محفل میں ' تھا سب سے تپاک اور اختلاط
ایک هم کم بخت گویا واں گلہ گاروں میں تھے
هاتھ اُٹھانا جان سے ' پیارے ! نہت دشوار ھے
کیوں ؟ نہ دیکھا کل سبھی تو ناز برداروں میں تھے

بھر عمر گدائي میں بھی کرتے رھے شاھی
دنیا میں جو تھاني تھی ' میاں هم نے نباھي
کیا دین سے غافل هیں ' " امیں " مردم دنیا ؟
سب کو سمجھتے هیں سدا اپنا اِلٰہی

نری نگھ کے جو هوں کے مارے ' نہ مانگا ہوگا اُنہوں نے پانی
نہ ایسی دیکھی ھے تیغ هم نے ' نہ ایسي دیکھي ھے آب داری

بتاں ' اُٹھا تے نہیں هاتھ میرے سینے سے
رھے ھے سنگ کے تئیں لاگ ' آبگینے سے
نہ اُٹھ سکے گا مرے لب سے حرف بوسے کا
مٹا سکے ھے کوئي نام کو نگینے سے ؟
" امیں " ضعیف میں اتنا ہوا ' بقول " فغاں "
" اٹک کے آہ نکلتی ھے میرے سینے سے "

کیا برا وقت تھا، اُس شوخ سے جب آنکھ لگی ؟
جب تلک جیتے رہے روز نہ شب، آنکھ لگی

حیات جاوداں بخشے ہے تیغ آب دار اُس کی
اگر باور نہ آوے جا کے تہارے، جس کا جی چاہے

یار بھی اب گلہ لگا کرنے یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی

ہاتھ میں اپنا سر، لیے رہنا
عشق کی پہلی یہ سلامی ہے

زاہد، کبھو تو گرد نہ پھر یو شراب کے
یاں آگ ہے چھپی ہوئی، پردے میں آب کے

کہا کرتے ہو مجھ کو، قابل جور و جفا "یہ ہے"
جو کوئی چاہے کسی کو، اے مہاں! اُس کی سزا یہ ہے
برہمن دیر پوجے ہے اور کعبہ کے تئیں زاہد
پرستش ہم جسے کرتے ہیں، وہ نام خدا یہ ہے

رباعی

یہ جور و جفا، یہ بے وفائی کب تک
بس کیجئے پاس آشنائی کب تک

کرتا ہے کرئی حسن پر اِتنا بھی غرور
دیکھیں تو رہے ہے یہ خدائی کب تک

مثنوی

ایک ہیں آشنا میرے غم خوار
پوچ گو ، بے وقوف بدالطوار
اُن کی تعریف کیا کروں میں بیاں
کیسی شرمائی ہے گی منھ میں زباں
دل ہے اُن کا کہیں ، دماغ کہیں
گھر میں ڈھونڈو تو بھونی بھانگ نہیں
منھ کو اُن کے خدا نہ دکھلاوے
گر کوئی دیکھے خاک کیا کھاوے ؟
چار پیسے کا سیر بھر تھرا
پی کے رکھتے ہیں جی میں یہ غرا
آج دنیا میں ہیں جو کچھ ، ہم ہیں
مالکِ چار دانگِ عالم ہیں
دیکھتا ہوں جو اُن کی میں صورت
یاد آتی ہے چین کی مورت
گال جبڑے سے یوں رہے ہیں لٹک
لگ رہے ہوں کواڑ کے جوں پٹ [۱]

---

[۱] خمخانۂ جاوید – سخن شعرا –

حسن

خواجہ حسن نام، خواجہ ابراہیم کے بیٹے اور خواجہ بھکاری مودودی کے نواسے تھے، دہلی ان کا وطن تھا - وجیہ اور خوبصورت تھے، لطیفہ گوئی اور موسیقی میں کمال رکھتے تھے، لکھنؤ کی رہنے والی بخشی نام کی طوائف پر عاشق تھے، اشعار اندر جابجا اپنے خیال میں اس کے نام کا نگینہ جڑا ہے، نجوم میں کافی مہارت تھی - کلام میں موسیقیت کا رنگ لفظ لفظ سے نمایاں ہے، اکثر اشعار دل کی زبان سے نکلے ہیں - جذبات عشق کے اظہار میں محاورات اور زبان کی چنداں پروا نہیں کرتے، جعفر علی خاں حسرت کے شاگرد تھے -

---

حال دل اپنا، میں ہر ایک سے کہوا دیکھا
واں کسی ڈھب سے یہ ہوتے نہ پزیرا دیکھا
وقت نظارہ نہ رو، کہتے تھے اے چشم تجھے
شدت گریہ سے، لے خاک نہ سوجھا دیکھا

یہی شورش عشق ہے تو الٰہی
اس آغاز کا، کیونکہ انجام ہوگا
وہی بے قراری اسیروں کی یوں ہی
تو صیاد! ٹکڑے ترا دام ہوگا
موئے ہم تو، پر بے قراری وہی ہے
خدا جانے کب دل کو آرام ہوگا

اگر نزع سے جاں بخشی کو آئے
تو اِس میں تمہارا بڑا نام ہوگا

جو بندہ خانے میں آئے گا ' فقیر تم کو دعا کرے گا
کسی کے دل کو جو خوش کروگے خدا تمہارا بھلا کرے گا

عالم اِس حور کی جو جلوہ گری کا دیکھا
پھر یہ جلوہ نہ کسی حور و پری کا دیکھا

پہونچے وہاں کچھ ' جب تیغ پیغام ہمارا
یہاں تب تیغ آخر ہی ہوا کام ہمارا

کیا قتل اور جان بخشی بھی کی
" حسن " اِس نے احساں دوبارا کیا

اُمڈ کے آنکھ سے اک بار بہہ چلے آنسو
ہنسی ہنسی میں ' جو ذکر وداع یار ہوا

وقت و داع یار دل بے قرار نے
یہ آہ کی کہ عرش مُعلّیٰ ہلا دیا

آنا محال ' هوش میں هے مجهه سے مست کا
بد هوش هوچکا هوں ' میں روز الست کا

کیسی صحبت اٹهه گئی! کہیں یار ' کیا تها کیا هوا ؟
مٹ گیا نقشہ وہ سب ' یک بار کیا تها کیا هوا ؟

وہ جب تک کہ زلفیں سنوارا کیا کهڑا اس پہ میں جان وارا کیا

مانوں میں وعدۂ فردا اے یار جب ترے وعدے کا فردا هوئی

تو جو ڈهونڈے هے '' حسن ''! خلوت کو
عین خلوت میں اکیلا هوتا

دل دلاسوں سے کرے هے آہ و زاری بیش تر
خانۂ ماتم میں هو پُر سے سے ' زاری بیش تر

جان بخشی کو بهی آیا نہ دم نزع '' حسن ''
اس نے اس وقت میں بهی هم سے چهپائیں آنکهیں

بهلا میں دوانا سهی پر یہ ناصح
مرے ساتهہ بکتا هے ' عاقل کو دیکهو
یہاں تهک کے بیٹهے هو کیا راہ میں تم ؟
چلو راہ رو! اپنی منزل کو دیکهو

حقیقت کہیں کیا ' ہم اِس انجمن کی
نہ تھی واں خبر ' اپنے ہی تن بدن کی
اگر جاں کنی میں وہ جاں بخش آوے
تو ہو نزع سے جان بخشی " حسن " کی

یہ تو نے مجھ سے نالۂ شب گیر! کچھ نہ کی
یاں دل جلایا اور وہاں تاثیر کچھ نہ کی

کب میں کہتا ہوں کہ مجھ سے جان جانے سے رہے
پر تک ایسا ہو کہ یہ دل تلملانے سے رہے
آہ کس کس بے وفائی کا؟ میاں! کیجے شمار
اور تو سب اک طرف' ملنے بھی دکھانے سے رہے
کس طرح سے زیست ہو وے گی بھلا اے دوستو!
اب تو قاصد بھی ' اِدھر کو آنے جانے سے رہے

آکر بلا سے قتل ہی کر جائیے مجھے
صورت اِسی بہانے سے دکھلائیے مجھے

غم نے ایذا جو اے صنم بخشی
یہ بھی سرکار کی ' کرم بخشی [ا]

[ا] منتخب شعرا - خمخانۂ جاوید -

گرفتار

سنگی بیگ نام، قوم کے مغل فوج میں ملازم، حاتم کے شاگرد تھے، کلام میں تغزل کی شان ہے، زبان بھی صاف اور سلیس ہوتی ہے [۱] -

---

ساقی یہ غنیمت ہے جو ہم جام سے گزرے
اس عالم فانی میں بھروسا نہیں دم کا

جستجو دنیا کی مت کر اے "گرفتار" اس قدر
کیا بھروسا ہے جہاں میں، عمر بے بنیاد کا

خانہ خراب، عشق ترا ہو اور کیا کہوں
خواب عدم سے سوتوں کو ناحق جگا دیا

اس طرف گزرے کبھو، اس شہ سوار حسن کو
اے صبا! کہیو ہماری خاکساری کی خبر

لطف سے تیرے تو کچھ دور نہیں، پر ہم کو
ناتوانی سے ہے ہر ایک قدم پر منزل

---

[۱] مجموعۂ نغز ج ۲ ص ۱۳۸ - میر قدرت اللہ قاسم، مرتبہ محمود شیرانی -

خدا کے واسطے ' کوئي کہو میرے مسیحا کو
جو آتا ہے تو آ! کوئي رمق ہے جان آنکھوں میں

—

اے "گرفتار" اس کی باتوں پر نہ بھول
یہ لگاوٹ کی ہیں دل آویزیاں

—

شکایت ترے جور کي ' کیا کریں ہم ؟
خدا جو دکھاتا ہے ہم دیکھتے ہیں
جگر جل گیا ' آتش غم سے اپنا
تعجب ہے آنکھوں کو نم دیکھتے ہیں

—

جلتا ہے جگر ' جاکے کہو دیدۂ تر کو
اے خانہ خراب ! آگ لگی ہے ترے گھر کو

—

آتش غم سے شب ہجراں میں با سوز و گداز
شمع کے مانند جلتا ہوں سحر تک شام سے

—

شب ہجراں میں تیری کیا کہوں ؟ جو کچھ کہ گذرے ہے
کٹے ہے دن تو جیوں تیوں ' پر قیامت رات بھاري ہے

—

درد ہو جس کے ' کچھ دوا کیجے
جي هي بے چین ہو تو کیا کیجے ؟

—

موج گل ' حلقۂ زنجیر ہوئی ہے بلبل
پھنس گئے ہم تو ' کہیں تو نہ خبردار پھنسے

دل جو ہے بے قرار کیا جانے ؟
کس کا ہے انتظار کیا جانے ؟
درد مندوں میں ' دیکھئے وہ شوخ
کس کا ہو غم گسار ؟ کیا جانے

عظیم [۱]

(مرزا) عظیم بیگ نام ' کابلی اصل ' مگر دھلی میں آباد ہوگئے تھے ' " حاتم " کے شاگردوں میں ان کا درجہ بھی بلند تھا ' قریب قریب ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے ' لیکن میدان غزل ھی رہا ہے ' کلام میں خیال بلندی اور نفاست ' لطافت بیان اور مضمون آفرینی کی شان ہے - اور آخر عمر میں خواجہ میر " درد " اور " سودا " سے بھی توسل تھا - " میر انشا " کا زمانہ بھی پایا تھا ' بلکہ ان کی ھجو میں ایک مخمس بھی موجود ہے -

---

اتنی تو بے حواسی ' دیدار کی ہوس پھر
بس ہم نے موسئی دل دیکھا شعور تیرا

---

[۱] مجموعۂ نغز -

شوق میں تیرے، لگا نام کو عالم کے کلنک
تو بھی تو مثل نگیں، گھر سے نہ باہر نکلا

موقوف نہ ساقی ہی پہ رکھ کام ہمارا
تو ہی کہیں اے عمر! بھر اب جام ہمارا

جلوہ فرما، کل جو مے خانے میں وہ مے نوش تھا
مثل جام و شیشہ، دل با دیدہ ہم آغوش تھا

ہر آن ہم غنی ہیں، عریاں تنی کی دولت
جامہ رکھے سو جانے، دامن دراز کرنا

نالہ و شور و فغاں ہے تری دم سازی سے یارا
ورنہ جوں نے، دل ہمارا محض بے آواز تھا

کل چشم خوں فشاں سے، گلزار پیرہن تھا
دامن کا تھا جو تختہ، یک تختۂ چمن تھا

عقل و ہوش ایدھر کو دل کھینچیں ادھر وحشت چلیں
دیکھیے ہوتا ہے کس کے یہ دریکتا نصیب

بعد میرے ہوئی، یہاں [۱] عشق کو تاثیر نصیب
مثل سیماب، موئے پر ہوئی اکسیر نصیب

روشن کرے ہے نام لکھوں کے کے رسہا
ہے اس میں بھی ہنر جو کرے اختیار عیب

خاک غبار خاطر و باد دم حساب
آب شراب او آتش رنگ گل بہشت
چاروں بھی عناصر موہوم کر بہم
دل کی ہمارے صانع قدرت نے کی سرشت

پیدا کرے جو نام کوئی تو مٹے ہے کھوج
عنقا کے جی سے پوچھئے نام و نشاں کی بات
بیٹھا ہوں سر لیے تری تقریر پر " عظیم "
جوں شمع سرکے ساتھ ہے میری زباں کی بات

ہوں میں وہ مست ازل ساکن ظلمات کہ جو
حشر کو بھی نہ سنوں کان سے آوازۂ صبح

جوں صبح چاک جیب سے ذرہ پھرے نہ آنکھ
یہاں ہے بہ شکل مہر نظر تار تار پر

---

[۱] تمام نسخوں میں " یہاں " ہے لیکن " یاں " پڑھا جائے گا، اس دور میں اکثر یہی صورت نظر آتی ہے ـ مرتب --

غم میں ترے جو یونہیں اڑاتی پھریں گے خاک
پہنچے گی کوئی دن میں زمیں آسمان پر
جوں شانہ سینہ چاک ہیں لیکن سوائے شکر
گلہ کبھی نہ شکوہ سر مو زبان پر
تقریر سر گذشت نہ پوچھو کہ خامہ وار
آتا ہے گریہ ہر سر حرف بیان پر

بانگ و صلوٰۃ شیخ پہ ناداں نہ جائیو
یہاں کاٹنا گلو کا ہے تکبیر سے غرض

ہے خاک دربے تری ، آرزو نہ ہم کی
بھرا اگرچہ ہے آب رواں سے خانۂ دل

حال دل کہنے کی یارب ہم سے کیا تدبیر ہو
جوں قلم پہلے زباں کٹ لے تو پھر تقریر ہو

خاک ساری پہ سیہ چشموں کی ، مت جا اے دل
سرمہ سا پھرتے ہیں یہ ، آنکھوں میں گھر کرنے کو

دیکھے ہے تری چشم تو کہتا ہے یہ ساغر
پیمانہ ابھی عمر کا یارب ! کہیں بھر جائے

قطرۂ نیساں کا موتي ' في الحقيقت آب ہے
اشک جب آنکھوں سے ٹپکا ' گوہر نایاب ہے

رباعی

پوشاک پہن کے ' سج بنائي تو کیا ؟
جوں آئینہ کی جو خود نمائي تو کیا ؟
موہوم ہے جوں عکس ' نظر میں یہ شکل
آئي تو کیا ' اگر نہ آئی تو کیا ؟

مخمس هجو انشا

وہ فاضل زمانہ هو تم جامع علوم
تحصیل صرف و نحو سے جن کی مچی ہے دھوم
رمل و ریاضي حکمت و هیئت جفر نجوم
منطق' بیاں' معاني' کہیں سب زمیں کو چوم
تیري زباں کے آگے نہ دھتاں کاھل چلے
اک دو غزل کے کہنے سے بن بیٹھے ایسے طاق
دیوان شاعروں کے نظر سے رهے بہ طاق
ناصر علي' نظیري کی طاقت هوئی ہے طاق
هرچند ابھي نہ آئی ہے فہمید جفت و طاق
ٹلکري تلے سے قدسي و عرفي نکل چلے
نزدیک اپنے آپ کو کتنا هي سمجھو دور
پر خوب جانتے هیں مجھے جو هیں ذي شعور

وہ بحر کون سی ہے نہیں جس پہ یاں عبور
کب مہری شاعری میں پڑے شبہہ سے قصور
بن کر قمل نکالنے کو تم خلل چلے
موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق
تبدیل بحر سے ہوے بحر خوشی میں غرق
روشن ہے مثل مہر ، بہ از غرب تا بہ شرق
شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

بقا [۱]

بقاءاللہ نام ، آبائی وطن اکبرآباد ، مولد دھلی اور مسکن لکھنؤ تھا - شاعری کے ساتھ ساتھ تسخیر کواکب کا بھی شوق تھا - فارسی میں مرزا فاخر یکتا سے اصلاح لیتے اور فسگین تخلص کرتے تھے - اُردو میں درد اور حاتم دونوں کے شاگرد تھے - خودبیں اور زود رنج آدمی تھے - کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے ، نازک دماغی میں میر اور تندمزاجی میں سودا کا جواب تھے - معرکۂ سخن میں دونوں سے دست و گریبان ہو جاتے تھے ۔ میر کی نسبت کہتے ہیں :—

پگڑی اپنی سنبھالئے گا میر
اور بستی نہیں یہ دلی ہے

---

۱ - بقا ، کو بعض تذکرہ نویسوں نے صرف "حاتم" کا شاگرد لکھا ہے ، اگرچہ "درد" کا زمانہ بھی پایا تھا ، لیکن ان کے کلام پر "حاتم" کی پیروی کا رنگ غالب ، ہے اس لئے "حاتم" کے تلامذہ کے سلسلے میں ان کا نام رکھا گیا - مرتب -

ایک جگہ ' سودا ' اور ' مہر ' دونوں کے متعلق لکھتے ہیں -

' مرزا ' و ' مہر ' دونوں باہم تھے نہم ملا
فن سخن میں پہلے ہر ایک تھا ادھورا
اس واسطے " بقا " اب ہجووں کی رسیماں سے
دونوں کو باندھ باہم میں نے کیا ہے پورا [۱]

بقا کی زندگی افلاس اور تنگدستی میں گذری لیکن خود داری کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا -

بقا کی طبیعت میں رنگینی اور شگفتگی تھی اس سے اُن کے کلام میں درد کم ہے - زود رنجی اور تند مزاجی نے ان کو ہجو گوئی کی طرف مائل کر دیا تھا -

بقا سنہ ۱۲۰۹ھ میں عتبات عالیات کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے مگر راستے میں انتقال کیا -

---

خال لب آفت جاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
دام دانے میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
خواہش سود تھی سودے میں محبت کے ولے
سر بسر اس میں زیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

---

[۱] مجموعہ نغز ج ۱ ص ۱۱۱ -

میں تو آیا تھا " بقا " باغ میں سن جوش بہار
پر یہ ہنگام خزاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

پہنچی اُس بت کو خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کوئی کھڑا تھا پس دیوار لگا

قضا نے حال کل' جب صفحۂ تقدیر پر لکھا
مری دیوانگی کا ماجرا زنجیر پر لکھا

کعبہ تو سنگ وخشت سے اے شیخ مل بنا
کچھ سنگ بچ رہا تھا سو عاشق کا دل بنا

ڈالا نہ بار عشق زمیں پر " بقا " نے یار
سر سے اگر گرا تو لیا تھام دوش پر

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اس کا میں دیکھنے والا ہوں " بقا " واہ رے میں

تجھ سیہ چشم سے اُمید وفا جو رکھیں
چاہئے اشک سے پہلے ہی وہ منہ دھو رکھیں

کیا کریں ؟ سینے جو ناصح سے چھپاتے نہ پھریں
داغ سے داغ ہیں کچھ اپنے گریباں کے تلے

دل سے نکلے کہیں پابوسئی قاتل کی ہوس
کاش وہ خوں کو مرے رنگ حنا ہی جانے
تیرے بیمار کو کب ہووے شفا جس کے طبیب
نہ تو کچھ درد کو پہنچے نہ دوا ہی جانے

کچھ تعین نہیں اس راہ میں جوں ریگ رواں
جس جگہ بیٹھ گئے آہ وہی منزل ہے
کھول دو عقدۂ کونین "بقا" کے پل میں
یا علی تم کو یہ آسان، ایسے مشکل ہے

جدا مت ہو اے داغ چھاتی سے میرے
گلے دل کا، اب اک نشاں ہے تو تو ہے

تصحیح اغلاط

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	۴	اشروع	سروع
۲	۱۳	۹	کرامیں	کردیں
۳	۲۲	۱۷	آساسان	آساساں
۴	۲۶	۳	قطب	قطب
۵	۲۶	۱۷	نانون	نانوں
۶	۲۶	۱۸	طوبان سون	طوباں سوں
۷	۲۷	۱۷	کون	کوں
۸	۲۸	۷	پھوان	پھولاں
۹	۲۸	۸	تون	توں
۱۰	۲۸	۹	چھلان	چھلاں
۱۱	۲۸	۱۳	سون	سوں
۱۲	۲۸	۱۴	کون	کوں
۱۳	۲۸	۱۹	تون	توں
۱۴	۲۹	۷	اوس	اُس
۱۵	۲۹	۱۹	کون	کوں
۱۶	۳۰	۱۲	شاہان	شاہاں
۱۷	۳۰	۱۷	مہرا گلستان	مرا گلستاں

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۸	۳۰	۲۰	تون	توں
۱۹	۳۰	۲۱	امامان	اماماں
۲۰	۳۱	۹	تہن	تہں
۲۱	۳۳	۱۸	دپا	دیا
۲۲	۳۴	۶	تاز	ناز
۲۳	۳۸	۱	حمار	خمار
۲۴	۴۰	۳	نہن	نہں
۲۵	۴۰	۱۶	انندان	انندال
۲۶	۴۵	۲	حون	خون
۲۷	۵۴	۹	ایس	ایس
۲۸	۵۴	۱۶	رصوان	رضوان
۲۹	۵۶	۱۶	نہن	نہں
۳۰	۹۱	۲۱	مہزان	مہزاں
۳۱	۹۲	۱	عاشقان	عاشقاں
۳۲	۹۷	۴	کون	کوں
۳۳	۹۸	۵	آن	اں
۳۴	۹۸	۱۰	آئین	آئیں
۳۵	۱۴۷	۲۰	مستزون	محزوں

نمبر	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۶	۱۵۹	۸	آسمان اور زمین	آسماں اور زمیں
۳۷	۱۵۹	۹	کون	کوں
۳۸	۱۵۹	۱۳	سکون	سکوں
۳۹	۱۵۹	۱۷	جہان	جہاں
۴۰	۱۹۷	۱	رمانے	زمانے
۴۱	۴۰۰	۲	الطوار	اطوار

هندستاني اکیڈیمی (صوبۂ متحدہ) الٰہ آباد

کی مطبوعات

۱ - ازمنۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات - از علامۂ عبداللہ بن یوسف علی - ایم - اے ' ایل ایل - ایم سی - بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۲ - ایضاً ایضاً غیر مجلد ۱ روپیہ -

۳ - اردو سروے رپورٹ - از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب ایم - اے - ۱ روپیہ -

۴ - عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ۴ روپیہ

۵ - ناتن (جرمن ڈرامہ) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب - ایم - اے ' ایم - آر ' اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ

۶ - فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب ' رواں - ۲ روپیہ -

۷ - کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -

۸ - قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از راے بہادر مہا مہو اپادھیا پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ' مترجمۂ منشی پریم چند -

۹ - ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی -

۱۰ - ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ' ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت -

۱۱ - عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر ' بی - اے ایل ایل - بی - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۱۲ - معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ' ایم اے ' پی ایچ - ڈی - غیر مجلد ۱ روپیہ - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۱۳ - فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی -

زیر طبع کتابیں

۱ - مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ' ایم - اے -

---

سول ایجنٹ کتابستان ' الٰہ آباد